إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۔ عَسٰى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا

غلام احمد قادیانی

نمبر ۸۳۵ رجسٹرڈ ایل

تار کا پتہ الفضل قادیان

THE ALFAZL QADIAN

الفضل

اخبار ہفتہ میں تین بار

قادیان

فی پرچہ ایک آنہ

ایڈیٹر غلام نبی

قیمت سالانہ پیشگی ۔ ششماہی ۔ سہ ماہی ۔ بیرون ہند

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۴۹ | مورخہ پنجم نومبر ۱۹۲۶ء | مطابق ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ | جلد ۱۴

مدینۃ المسیح

خاندان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خدا کے فضل و کرم سے خیر و عافیت ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی اطلاع دی گئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حرم ثانی کی طبیعت علیل ہے۔ بہت کمزوری اور ضعف لاحق ہو گیا ہے۔ احباب دعا فرماویں کہ خدا تعالیٰ انہیں صحت بخشے۔

نظارت امور عامہ کی طرف سے وزیر خارجہ حکومت افغانستان کو ایک تار دیا گیا ہے۔ جس میں خواہش ظاہر کی گئی ہے۔ کہ اگر ہز میجسٹی امیر کابل رضامند ہوں۔ تو ہم کابل کے مولویوں کے ساتھ خاص کابل میں اختلافی مسائل پر بحث کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ تار مفصل آیندہ درج کیا جائیگا ٭

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا مکتوب گرامی بنام ایڈیٹر "الفضل"

اس ہفتہ کی ولایتی ڈاک سے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاکسار کے نام جو خط موصول ہوا ہے۔ وہ حضور نے میرے ایک عریضہ کے جواب میں رقم فرمایا ہے میں نے اپنے خط میں مولوی نعمت اللہ خان صاحب کے واقعہ سنگساری کے متعلق حضور کے تار بنام دول یورپ و جمعیۃ الاقوام پر بعض غیر احمدی اخبارات کے شور و شر کا ذکر کیا تھا نیز میں نے لکھا تھا کہ بعض اخبارات نے کابل کی حمایت میں احمدیوں کو مرتد قرار دیکر واجب القتل ٹھہرایا ہے۔ علاوہ ازیں میں نے اس مراسلت کا ذکر کیا تھا۔ جو بہائیوں کے اخبار میں" میرزا عزیز اللہ خان پرائیویٹ سکرٹری شوقی ربانی حیفا کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حیفا تشریف لے جانے کے متعلق شائع ہوئی۔ اور جس میں انگور کا خوشہ دینے، مذہبی بات چیت کرنے کے لئے کہنے اور ٹھہرنے کی دعوت دینے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا:۔

"دو محترم شخص ان کے پاس سٹیشن پر دعوت لیکر گئے۔ مگر خلیفہ قادیانی نے محض اپنے خادم کے ذریعہ گفتگو کی۔ اور خود ان سے دو کلمے مہربانی کے بھی نہیں کہتے۔ اور ان کے اس طریق وداد کے مقابلہ میں کچھ ملاطفت بھی ظاہر نہیں کرتے۔"

اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا:۔

"ہم کو جماعت قادیان کی اس اخلاقی مظاہرہ پر بیحد تعجب ہے مگر شاید اس کی وجہ یہ ہو۔ کہ مسیح کی نامرادی کا اثر ابھی انکی طبیعت پر باقی تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جناب میرزا بدیع اللہ نے جو سرکاری دفتر میں ایک معزز عہدے پر ممتاز ہیں کہا کہ ایک گاڑی آج صبح سرکاری دفتر میں آئی اور رئیس قادیان کے سکرٹری نے مجھ سے پوچھا کہ کیا قدس سے حیفا کے حاکم کو اطلاع نہیں دیگئی کہ رئیس قادیان سے ملاقات اور ان کا احترام کریں۔ تو میں نے تحقیق کر کے

جواب دیا کہ ایسی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔ حقیقت حال یہ ہے "

مذکورہ بالا امور کے متعلق جو میں نے خلاصۃً عرض کئے ہیں حضور نے نہایت ہی شفقت اور ذرہ نوازی سے اپنی انتہائی مصروفیت اور علالت طبع کے باوجود حسب ذیل مکتوب گرامی میرے نام ارسال فرمایا ہے۔ جس پر مختلف عنوان میں نے خود لگائے ہیں۔ (ایڈیٹر)

"۸ر اکتوبر ۱۹۲۴ء

عزیز مکرم! السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا۔

مسیحی حکومتوں سے مرافعہ اور غیر احمدی

غیر احمدیوں کا شور کہ مسیحی حکومتوں سے کیوں مرافعہ کیا گیا ہے فضول ہے۔ اول وہ خود ترکوں کے متعلق ان سے مرافعہ کرتے رہے ہیں۔ دوسرے انہوں نے اس قتل کی داد دیکر اپنے اندرونہ کو ظاہر کر دیا ہے کیا ان بھیڑیوں سے مرافعہ کیا جاتا۔ اور اگر ان لوگوں کے نزدیک مرتد کی سزا قتل ہے۔ تو پھر ان کو ایسے ہی معاملہ اور سلوک کی غیروں سے بھی امید رکھنی چاہیئے۔

احمدیوں کے قتل کا فتویٰ اور مسلمان

اگر مسیحی اور دوسری حکومتیں یہی معاملہ مسلمان ہونیوالوں سے کریں۔ تو مسلمان جو تعداد میں مسیحیوں اور بدھوں سے کم ہیں۔ ان کے لئے ترقی کا کونسا امید ان رہ جائے۔ اور کوئی سچا دین کس طرح ترقی کرے۔ اگر یہ سلوک درست ہے۔ تو اہل مکہ جو کچھ مسلمانوں سے کرتے تھے عین انصاف کے مطابق تھا۔ کیونکہ وہ بھی اپنے دین کو سچا سمجھکر ایسا اس سے مرتد ہونے والے کی سزا قتل ہے۔ تو پھر ہر ایک قوم جو اپنے دین کو سچا سمجھتی ہے۔ اس کا یہی حق ہوگا۔ اور اس سے اسلام پر جس قدر تباہی آئیگی۔ وہ ظاہر ہی ہے۔ کیونکہ مسلمان زیادہ تر غیر حکومتوں کے ماتحت ہیں۔ اگر مسلمان مرتد ہوتے رہیں۔ تو انکو عام طور پر مسلمان قتل نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اگر غیر لوگ مسلمان ہوں گے۔ تو ان کو دوسری حکومتیں قتل کر سکینگی۔ پس اسلام کی ترقی کا راستہ مسدود ہو جائیگا۔ اور اس کی تباہی کا راستہ کھلا رہے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ غیر احمدی اس فتویٰ پر اسی وجہ سے مصر ہیں کہ وہ جانتے ہیں۔ کہ دوسرے لوگ اس فتویٰ کے مقابلہ کی وجہ سے ہمارے خلاف یہ ہتھیار نہیں استعمال کرینگے۔ کیونکہ وہ تہذیب ظاہری میں ترقی یافتہ ہیں۔ مگر کیا یہ شرافت ہے۔ کہ ہم اس لئے کسی کو نقصان پہنچائیں۔ کہ وہ بالمقابل ہمیں نقصان نہیں پہنچائیگا اس سبب سے نہیں کہ وہ کمزور ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اس فعل کو خلاف انسانیت سمجھتا ہے۔

بعض اخباروں کا یہ لکھنا کہ شہید مرحوم خوست کے باغیوں کا سرغنہ تھا۔ کس قدر جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ ابھی چند ماہ ہوئے کہ خوست کے باغیوں نے دو احمدیوں کے گاؤں جلا دئے۔ زمیندار ابھی لکھتا ہے۔ کہ احمدیوں نے خوست میں یہ مشہور کر کے کہ امیر احمدی ہو گیا ہے۔ بغاوت پھیلوا دی۔ باغی امیر کے خلاف یہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ وہ احمدیوں کے اثر کے نیچے ہے اور باوجود اس کے ایک ذمہ وار اخبار لکھتا ہے کہ وہ خوست کے باغیوں کا سرغنہ تھا۔ یہ ایسی ہی بات ہے۔

جس طرح کوئی اخبار یہ لکھ دے کہ مصطفےٰ کمال پاشا یونانی سازشیوں کا سرغنہ ہے۔

بہائیوں کے متعلق

جو خط میرا بہائیوں کے متعلق شائع ہوا ہے۔ اس کا پچھلا حصہ بھائی جی (شیخ عبد الرحمٰن صاحب قادیانی) سے لکھوایا تھا۔ ان سے لکھنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ اسمیں لکھا ہے کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ مولوی رحیم بخش صاحب گئے تھے تو میں نے انکو کہا کہ ان لوگوں سے جا کر ملیں۔ لیکن میں نے ان کو یہ لکھوایا تھا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ لوگ آئے ہیں۔ تو میں نے مولوی رحیم بخش صاحب کو کہا کہ وہ جا کر ان سے ملیں۔ کیونکہ یہ تو مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ مولوی رحیم بخش صاحب وہاں گئے ہیں۔

حیفہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کا تشریف لے جانا

اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم صبح کے وقت سیر کو چلے۔ راستہ میں میں نے گاڑی والے سے پوچھا کہ کیا یہاں بہائی رہتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں اسی سڑک پر رہتے ہیں۔ اور راستہ میں ایک مکان دکھایا کہ یہ ان کا ہے۔ جب ہم سیر سے واپس آ رہے تھے تو بعض دوستوں نے چاہا کہ وہاں جا کر ان کی حالت کو دیکھیں۔ میں نے سڑک پر گاڑی کھڑی کروالی۔ اور مولوی رحیم بخش صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور میاں شریف احمد صاحب اندر چلے گئے۔ وہاں سے وہ واپس آئے۔ اور انہوں نے بتایا کہ مردانے مکان میں صرف بچے تھے۔ ہم نے ان میں سے شوقی کے بھائی کی تصویر لے لی ہے اور مکان کی۔ اور یہ کہ ذکر کہتا تھا کہ ٹھہرو ہم نے کہا۔ جب شوقی آفندی یہاں نہیں تو ہم نے کیا ٹھہرنا ہے ذکر نے وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کہا کہ شوقی آفندی کے والد اندر ہیں۔ مگر وہ نہ گئے اسکے بعد ہم ہوٹل کو اور پھر سٹیشن کو واپس آ گئے۔ کیونکہ دمشق کی گاڑی کا وقت قریب تھا۔ اور ہم حیفہ میں رات صرف اسوجہ سے ٹھہرے تھے کہ گاڑی دوسرے دن دس بجے چلتی تھی۔ جب ہم سٹیشن پر پہنچے تو ابھی اندر نہ گئے تھے کہ کسی شخص نے مجھے بتایا کہ شوقی آفندی کے والد آئے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے خلیفہ جو ہمارے مکان پر گئے تھے۔ وہ کہاں ہیں۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے مولوی رحیم بخش صاحب کو کہا کہ آپ ان سے جا کر ملیں اور بتائیں کہ میں گیا تھا۔ تاکہ ان کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ اس کے بعد میں سٹیشن میں داخل ہونے کے لئے بڑھا تو ایک صاحب جن کی نسبت بعد میں معلوم ہوا کہ شوقی صاحب کے والد تھے مجھے ملے۔ اور پوچھا کہ آپ ہمارے مکان پر گئے تھے۔ میں نے کہا کہ نہیں میرے سکرٹری اور بعض اور دوست گئے تھے۔ کیا انہوں نے آپ کو بتایا نہیں۔ میں نے انکو آپ کی طرف بھیجا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں مجھے نہیں ملے۔ میں نے ادہر ادہر دیکھا تو مولوی صاحب پاس نہ تھے کسی نے بتایا کہ وہ اندر چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد شوقی صاحب کے والد نے کہا کہ مکان پر چلیئے۔ اور کچھ ٹھہرئیے۔ میں نے ان کو بتایا کہ ہم گھر سے ولایت کے لئے نکلے ہیں۔ جہازوں کے ٹکٹ لئے ہوئے ہیں۔ وقت پر نہ پہنچے سے ہزاروں کا نقصان ہوتا ہے۔ راستہ میں حسب پروگرام بندرہ دن کے لئے اترے ہیں کہ دمشق جائیں۔ اور تبلیغ کریں۔ اسمیں سے اب کل آٹھ دن باقی ہیں۔ یعنی کل پانچ چھ دن ہمارے پاس دمشق کے لئے باقی ہیں۔ ہم یہاں کس طرح ٹھہر سکتے ہیں۔ اور دمشق کے سفر کو جس کی خاطر ہم ادھر آئے ہیں۔ چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ ہمیں معذور سمجھیں۔ پھر وہ اصرار کرنے لگے کہ نہیں یہاں ضرور ٹھہریئے۔ میں نے انکو بتایا کہ دیکھئے اسباب ریل میں رکھا ہوا ہے۔ آدمی سوار ہو چکے ہیں۔ وقت کی پابندی ہے۔ ہم کس طرح ٹھہر سکتے ہیں۔ اتنے میں آدمی آیا کہ ریل چلنے والی ہے۔ چلیئے۔ میں معذرت کر کے اندر چلا گیا۔ یہ ان کی دعوت کی حقیقت ہے۔ اور تبلیغ کے موقعہ کی اصلیت۔

انگور کا خوشہ

انگور کے خوشہ کا واقع یہ ہے کہ جب ہوٹل میں پہنچے۔ تو ایک خوشہ انگور کا میں نے اپنے کمرہ میں دیکھا اور پوچھا کہ یہ کیسا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ جو لوگ شوقی صاحب کے مکان پر گئے تھے۔ ان کو تحفہ کے طور پر انہوں نے دیا تھا۔ میں نے اسی وقت انکو بلا کر کہا کہ آپنے خواہ مخواہ اعتراض سر پر لیا ہے۔ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں یہ خوشہ طعنہ بنکر رہیگا۔ اسکو میرے پاس سے لیجاؤ۔ تم کو لینا چاہیئے نہ تھا ورنہ بدلہ دینا چاہیئے تھا انہوں نے کہا کہ ہم معذرت کرتے تھے۔ مگر نوکر نے کہا کہ آپ اسکو لیجا دیں۔ میں نے کہا کہ یہ لوگ تو مجاوروں کی طرح ہیں۔ آپ کو زائر سمجھے ہونگے۔ بطور تبرک کے دیدیا۔

ڈپٹی گورنر حیفہ کا ذکر

ڈپٹی گورنر حیفہ کے متعلق جو بات لکھی ہے۔ وہ بھی سر تا پا جھوٹ ہے۔ سر کلیٹن صاحب ایکٹنگ گورنر فلسطین نے میری دعوت کی اور خود ہی کہا کہ حیفہ کے نائب گورنر کو وہ فون کرینگے۔ کہ ہر طرح آپکے آرام کی فکر کریں۔ آپ انکو اطلاع دیدیں۔ اسی طرح انہوں نے اور اپنے دوستوں کے نام دمشق اور روم کے لئے چٹھیاں لکھ دیں جنمیں سے ایک بوجہ برطانیہ کے وزیر اٹلی صاحب کی عدم موجودگی کے اب تک ہمارے پاس ہے۔ جب ہم حیفہ پہنچے تو چونکہ انتظام سب ہم کر چکے تھے۔ ہمیں ان سے مدد کی کوئی ضرورت نہ پیش آئی۔ جب ہم سیر کو جا رہے تھے کہ ان کی ملاقات بھی راستہ میں آگئی۔ میں نے مولوی رحیم بخش صاحب سے کہا کہ گو ضرورت کوئی نہیں۔ مگر اخلاق چاہتے ہیں کہ آپ ان سے مل آئیں۔ تاکہ ان کو اگر اطلاع ملی ہے۔ تو یہ شکایت نہ ہو کہ مجھ سے ملے نہیں۔ مولوی صاحب ان سے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ چونکہ کل اتوار تھا۔ اور اتوار کو تار وغیرہ سب بند ہوتے ہیں۔ اسوجہ سے گورنر صاحب اطلاع نہ دے سکے ہونگے اس کے بعد پوچھا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو میرے متعلق کام ہو بتایا جائے۔ مولوی صاحب نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ انتظام سب ہو چکا ہے۔ پھر نائب گورنر صاحب نے ان سے کچھ ناشتہ کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے معذرت کی۔ اور چلے آئے۔ یہ حقیقت اس واقعہ کی ہے۔ اس کے بعد واپسی پر جب شیخ یعقوب علی صاحب اور چودہری فتح محمد صاحب پیچھے رہ گئے۔ تو انہی نائب گورنر صاحب نے ان کے لئے خاص انتظام کیا جس قدر روپیہ کی انکو ضرورت تھی وہ بھی دیا۔ اور فون کر کے مجھے ایک درمیانی سٹیشن کے افسر کی معرفت ان کے متعلق پوری اطلاع دی۔ جن مرزا بدیع صاحب کی نسبت یہ واقع منسوب کیا جاتا ہے۔ اگر ان کا اصلی نام بہائی شائع کر دیں۔ تو دنیا کو خود ان کی بات کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔

علالت طبع

میری طبیعت نہایت کمزور ہو گئی ہے۔ آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں۔ اور سینہ میں درد ہے۔ بھوک بالکل بند ہو گئی ہے۔

خاکسار مرزا محمود احمد"

الفضل (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

یوم شنبہ قادیان دارالامان - یکم نومبر ۱۹۲۴ء

لنڈن میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا سیاسی لیکچر

ہندوستان کی موجودہ حالت اور تعلقات حکومت

لیکچر کے متعلق روئداد

(نوشتہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کو برادر خالد شیلڈرک نے حضرت اقدس اور آپ کے خدام کو چاء کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ ہم سب ان کے مکان پر پہنچے۔ اس مجمع میں انہوں نے بعض اپنے دوستوں کو بھی بلایا تھا۔ جنہیں سے ایک کنسرویٹو پارٹی کی مقامی کمیٹی کے رکن تھے۔ انہوں نے حضرت اقدس سے ہندوستان کی سیاسی حالت پر ایک لیکچر دینے کی خواہش کی۔ حضرت نے منظور کر لیا۔ چنانچہ بعد میں انہوں نے تحریری درخواست کی۔ اور ۲۶ ستمبر کی شام کو ڈینچ ہال میں یہ لیکچر ہوا۔

جس وقت ہم لوگ وہاں پہنچے ہیں۔ ہال بالکل بھرا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت کے خدام کے لئے بھی جگہ نہ تھی۔ حضرت اقدس نے پسند کیا کہ ہم لوگ نہ شریک ہوں۔ مگر یہ منتظمین کو ناگوار تھا۔ اس لئے کچھ عرصہ تک ہم لوگ ہال کے ساتھ والے کمرہ میں بیٹھے رہے۔ تاکہ وہ انتظام کریں۔ آخر انتظام کے بعد یہ قرار پایا۔ کہ پندرہ آدمی پلیٹ فارم پر جا بیٹھیں۔ مقامی کنسرویٹو پارٹی کے بعض ممبروں نے ہمارے لئے جگہ خالی کی۔

حضرت اقدس ہال میں

حضرت اقدس جس وقت ہال میں پہنچے ہیں۔ چیرز سے آپ کا اس اخلاص اور جوش سے استقبال کیا گیا کہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ متواتر کئی منٹ تک اظہار مسرت اور خوش آمدید ہوتا رہا۔ اس جلسہ کے لئے Councillor H. G. Bath (جو ایک مدبر اور معزز آدمی ہے۔ جو نہایت اہم اور ممتاز جلسوں کے وقت پریزیڈنٹ ہوتا ہے) پریزیڈنٹ منتخب کیا گیا۔

ایک عجیب مغالطہ

پریزیڈنٹ کو تھوڑی دیر تک یہ مغالطہ رہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کون ہیں۔ اس کو خیال رہا کہ شاید چودہری ظفر اللہ خان ہیں۔ اسی قسم کا مغالطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ہوا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی۔ جب آپ ڈیرہ بابا نانک تشریف لے گئے ہیں۔ تو ایک موقعہ پر آپ تشریف فرما تھے۔ لوگ آئے تو انہوں نے مولوی محمد احسن صاحب کے متعلق غلطی کھائی اور مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ پریزیڈنٹ نے حضرت سے پروگرام کے متعلق استصواب کیا۔ اور جب آپ نے فرمایا کہ میں پہلے مختصر سی تقریر کروں گا۔ تو اس نے کہا کہ نہیں نہیں۔ ہز ہولی نس تقریر کریں گے۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا۔ کہ وہ خود ہز ہولی نس سے گفتگو کر رہا ہے۔ تو اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

اس وقت تک ہال تو پہلے ہی پُر ہو چکا تھا۔ اس کی دسیع گیلری بھی بھر چکی تھی۔ اور ناظمین جلسہ کو دروازہ بند کرنا پڑا۔ لوگ آتے تھے۔ اور دروازہ کھٹکھٹاتے تھے۔ اور مجبوراً یہ سُن کر کہ اندر جگہ نہیں۔ انکو باہر ہی ٹھہرنا پڑتا۔ اور کثرت سے جگہ نہ ہونے کے باعث واپس ہو گئے۔

صدر جلسہ کا حضرت اقدس کو انٹروڈیوس کرانا

صدر جلسہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ کہ:۔

آج رات ہم بہت ہی خوش ہیں۔ کہ ہز ہولی نس خلیفۃ المسیح ہم میں ہیں۔ آپ مذہبی کانفرنس میں لیکچر دینے کے لئے تشریف لائے ہوئے ہیں اور انہوں نے ازراہ کرم آج یہاں ایڈریس دینے کا ہماری درخواست پر وعدہ فرمایا تھا۔ ان کے لیکچر کا مضمون ہندوستان کی حالت حاضرہ اور تعلقات حکومت ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس لیکچر کو نہایت توجہ اور خوشی سے سنیں گے۔ اور میں ادب سے عرض کرتا ہوں کہ ہز ہولی نس اپنی تقریر شروع کریں۔

حضرت اقدس جب ابتدائی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو ہال پھر چیرز سے گونج اُٹھا اور چند منٹ تک ناممکن ہو گیا کہ ایک لفظ بھی کوئی بول سکے۔ حاضرین کی نگاہیں اشتیاق کے ساتھ آپ کے چہرہ پر پڑ رہی نہ رہی تھیں بلکہ جمی ہوئی تھیں۔ اور ان نظروں میں ایک مسرت پائی جاتی تھی۔ گویا وہ لوگ کسی بڑی عظیم الشان نعمت اور برکت کو پا رہے ہیں۔

حضرت نے کھڑے ہو کر اپنی ابتدائی تقریر شروع کی۔

انگلستان کے علم خطابت میں تجدید

عام انگریزی جلسوں کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے لیکچرز کو مسٹر پریزیڈنٹ۔ لیڈیز اینڈ جنٹلمین سے شروع کرتے ہیں۔ کوئی بھی لیکچر ہو۔ ابتدا اسی طرح ہوتی ہے۔ مگر حضرت اقدس نے اپنے لیکچروں کی ابتدا جن پیاری الفاظ سے شروع کی ہے۔ وہ یہاں کے علم خطابت میں ایک تجدید کا پہلو رکھتی ہے۔ یہ الفاظ جو آج تک بولے جاتے ہیں۔ ان میں محبت اور اخلاص کا رنگ نہیں۔ گو نمائشی اخلاق کا ہو۔ مگر جب خلیفۃ المسیح اپنی تقریروں میں مسٹر پریزیڈنٹ اسسٹرز اینڈ برادرز (صدر مجلس! بہنو اور بھائیو!) کہہ کر آغاز کرتے ہیں۔ تو ان کے الفاظ ساتھ ہی محبت اور اخوت کی ایک لہر ان کے قلب سے نکلکر حاضرین کے قلب پر پڑتی ہے۔ میں نے تمام ان لیکچروں میں جو آج تک ہوئے ہیں۔ حاضرین کی حالت کو مشاہدہ کیا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ انکی آنکھوں میں ایک چمک اور چہروں پر مسرت کی رو پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض آپ چیرز کی گونج میں کھڑے ہوئے اور ان کے خاموش ہونے پر یوں گویا ہوئے۔

حضرت صاحب کے تمہیدی الفاظ

صدر! بہنو اور بھائیو! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے ہندوستان کی پولیٹیکل حالت پر لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا۔ اور موقعہ دیا۔ کہ میں ہندوستان کی حالت حاضرہ پر تقریر کروں۔ اور اس کی موجودہ حالت کے اسباب اور اس کے علاج کے متعلق اپنے خیالات کو ظاہر کروں۔

میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں لکھے ہوئے پرچے پڑھنے کا عادی نہیں ہوں میں ہمیشہ اپنی زبان میں کبھی کبھی ہزار آدمیوں کے درمیان متواتر کئی گھنٹے تک زبانی تقریر کرتا ہوں اسلئے میں آپ کی جازت سے اپنے دوست اور بھائی چودہری ظفر اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء کو اپنا لیکچر پڑھنے کے لئے کہتا ہوں۔ وہ میرا لیکچر پڑھیں گے جس کو میں نے اپنی زبان میں لکھا ہے۔ اور پھر انگریزی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس قدر کہہ دینے کے بعد میں چودہری صاحب سے کہتا ہوں کہ وہ لیکچر پڑھیں۔

حضرت کی اس مختصر تقریر کو جو انگریزی میں آپ نے کی حاضرین نے بہت ہی خوشی سے سُنا جس میں تکلف اور نمائش کا دخل نہ تھا بلکہ واقعات کا صحیح اظہار تھا۔ اس خوشی کا اظہار حاضرین نے پھر چیرز سے کیا۔ اور چودہری صاحب کھڑے ہوئے۔ چودہری صاحب کا استقبال بھی چیرز سے ہوا۔

سامعین کی خوشنودی

چودہری صاحب نے لیکچر پڑھنا شروع کیا۔ چند منٹ نہ گذرتے تھے۔ کہ ہال چیرز کے شور سے گونج اٹھتا تھا۔ اور اس اظہار مسرت میں چودہری صاحب کیلئے بجز اسکے چارہ نہ تھا۔ کہ وہ خاموش ہو کر سامعین کی پر کیف حالت کا معائنہ کریں۔ چودہری صاحب نے دو تین سطریں ہی پڑھی تھیں۔ جب وہ اس فقرہ پر پہونچے۔ کہ ہمارا یہ اصل ہے۔ کہ ہمیں کبھی ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ جس سے ملک کی قائم شدہ گورنمنٹ کے لئے کام کرنا مشکل ہو جائے۔ تو ہال پھر چیرز سے گونج اٹھا۔ اور ابھی چیرز کی صدا پورے طور پر رکی نہ تھی۔ کہ جب چودہری صاحب نے لیکچر کا یہ جملہ پڑھا۔ کہ ہم گورنمنٹ سے نہ کسی انعام کے امیدوار ہوتے ہیں۔ اور نہ پسند کرتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ ملکی خدمات کے بدلہ میں لوگوں کو انعام دے۔ کیونکہ اس سے نیک نیتی کی روح مرجاتی ہے تو پھر ہال چیرز سے گونج اٹھا۔ غرض لیکچر کے چند جملوں کے بعد چیرز سے ہال گونج اٹھتا تھا۔ ان چیرز کے درمیان چودہری صاحب نے لیکچر ختم کیا۔

بعض اصلاحات

حضرت اقدس نے جب کہ آپ لیکچر دینے کے لئے تشریف لا رہے تھے۔ چودہری صاحب کو زبانی بتایا تھا۔ کہ کس قسم کی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ لیکچر کی طوالت کے خوف سے ان کو لکھا نہیں تھا۔ اس لئے موقع مناسب پر چودہری صاحب نے حضرت کے الفاظ میں اشارہ کیا۔ کہ کس قسم کی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ مثلاً تعلیم کے متعلق فرمایا۔ کہ تعلیم ضرورت کے لحاظ سے ہو۔ زمینداروں کو جو تعلیم دیجائے وہ اس قسم کی ہو۔ جو ان کو زمینداری معاملات میں ترقی کا موقعہ دے۔ ایسا ہی عورتوں کی تعلیم کے متعلق اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ امور خانہ داری کی بہترین واقف ہوں۔ ان کے تعلیمی نصاب کو ان ضرورتوں کے لحاظ سے مرتب کرنا چاہیئے۔ جو عورت کیلئے ضروری ہیں۔ ایسا ہی محکمہ مال کی موجودہ قباحت بیان کرتے ہوئے ظاہر کیا۔ کہ اس محکمہ کو زمینداروں کے لئے مفید ہونا چاہیئے۔ اب زمینداروں کا وہ بہترین مشیر نہیں۔ بلکہ اس میں حکمرانہ رنگ ہے۔ ان اصلاحات کے بیان پر بھی لوگوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔

شکریہ کا ریزولیوشن

جب چیرز کا شور ختم ہوا۔ تو پریذیڈنٹ صاحب نے کھڑے ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح کے لئے شکریہ کا ریزولیوشن پیش کیا۔ اور کہا۔ کہ یہ لیکچر بہت دلچسپ اور ہمارے لئے تعلیمی لیکچر ہے۔ (مطلب یہ تھا۔ کہ ہم اس لیکچر سے بہت سبق سیکھ سکتے ہیں) یعنی سبق آموز ہے۔ ہندوستان کی موجودہ حالت اور اس کے اسباب پر بہت قابلیت سے بیان کیا ہے۔ میں اس مہربانی کے لئے جو ہز ہولی نس نے ہم پر کی ہے۔ شکریہ کی تحریک پیش کرتا ہوں۔ اس تحریک کا خیر مقدم بھی چیرز سے ہوا۔ اس کی تائید کے لئے وائس چیرمین صاحب کھڑے ہوئے۔

وائس چیرمین کی تائیدی تقریر

اگرچہ ہم لوگ اس ملک میں رہتے ہیں۔ جہاں سورج نہیں چمکتا۔ مگر اس وسیع ملک پر حکومت کرتے ہیں۔ جہاں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔ میں نے اس لیکچر کو بہت دلچسپی سے سنا ہے۔ مغربی تعلیم اور جنگ عظیم نے کیا نتائج پیدا کئے ہیں۔ میں نے ان کو بہت غور سے سنا ہے۔ اور حقیقت میں یہ نتائج نہایت خوبی سے بیان کئے گئے ہیں۔ اور ہز ہولی نس نے جو اشارات اصلاحات کے متعلق کئے ہیں۔ وہ بالکل درست اور قابل غور ہیں۔ ہز ہولی نس احمدیہ جماعت کے لیڈر ہیں۔ جس کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ یہ خیالات جو احمدیہ کمیونٹی کے لیڈر نے ظاہر کئے ہیں۔ وہ بہت دلچسپ ہیں۔ ان پر عمل کیا جائے۔ تو انگریزی جھنڈا دیر تک لہرائیگا۔ میں اس ریزولیوشن کی جو اس مجلس کی طرف سے شکریہ کا پیش کیا گیا ہے۔ زور سے تائید کرتا ہوں۔

تائید مزید میں ایک اور شخص کھڑا ہوا۔ جس نے دارجیلنگ سے لیکر کراچی تک ہندوستان میں سالہا سال قیام کیا ہے۔ اور اس نے اپنے تجربہ اور علم کی بنا پر کہا۔ کہ یہ مضمون جو پڑھا گیا ہے۔ اپنے اندر دلچسپی اور سبق آموزی رکھتا ہے۔ میں بہت خوشی سے تائید کرتا ہوں۔ اس پر شکریہ کا ریزولیوشن باقاعدہ پاس ہوا۔ اور حاضرین نے اپنی صدائے رضا سے اس پر صاد کیا۔ اور پریذیڈنٹ نے کھڑے ہو کر حضرت کی طرف مخاطب ہو کر شکریہ کا اظہار کیا۔ کہ آپ کا لیکچر بہت ہی اعلیٰ درجہ کا دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی دلچسپ اور سبق آموز مضمون ہم نے کبھی نہیں سنا۔ اس لئے آپ کی اس مہربانی کے لئے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ دیر تک اس پر چیرز ہوتے رہے۔ پھر حضرت نے کھڑے ہو کر حاضرین کا شکریہ بایں الفاظ انگریزی زبان میں ادا کیا

حضرت صاحب کی طرف سے شکریہ

آپ نے جو وقت میرے مضمون کے سننے کے لئے دیا ہے۔ اور پھر نہایت صبر اور حوصلہ سے اس کو سنا ہے۔ اس کے لئے میرا فرض ہے۔ کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ اپنے ملک کے مفاد کے لئے کہا ہے۔ اور وہ میرے مد نظر ہے۔ حضرت کے اس شکریہ پر دیر تک چیرز ہوتے رہے۔

مکالمہ

جلسہ کے ختم ہونے پر جب حضرت ان لوگوں کے درمیان سے گذرے۔ تو محبت و احترام کی نگاہیں استقبال کرتی تھیں۔ لیکچر ہال سے نکل کر حضرت اور آپ کے خدام کو ایک ڈرائنگ روم میں لایا گیا۔ جہاں کافی کا انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ تمام احباب اور حاضرین موجود کو جن کی تعداد ایک سو کے قریب ہوگی کافی اور چا پیش کی گئی۔ پریذیڈنٹ صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور مختلف امور پر عام باتیں ہوتی رہیں۔ مثلاً اس نے کہا۔ کہ میں تو ہندوستان نہیں گیا۔ آپ کس راستہ سے آئے ہیں۔ حضرت نے بہ تبسم جواب دیا۔ کہ جس راستہ سے اوڈوائر اور ڈائر گئے ہیں

پریذیڈنٹ:۔ کیا آپ عورتوں کو تعلیم دیتے ہیں۔

حضرت:۔ ہاں میں تو عورتوں کی تعلیم نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔ ہم عورتوں کو ضروری تعلیم دیتے ہیں۔ اور ان کے تمام حقوق ان کو دیتے ہیں۔

پریذیڈنٹ:۔ کیا مغربی طریق پر؟

حضرت:۔ نہیں کسی قدر فرق ہے۔ ہم وہ حقوق ان کو دیتے ہیں۔ جو فی الحقیقت ان کا حق ہیں۔

پریذیڈنٹ:۔ یہ لیکچر زبان اور محاورہ کے لحاظ سے انگلش ایڈریس ہے۔ بلکہ لنڈن ایڈریس ہے۔

پریذیڈنٹ:۔ کیا آپ سگرٹ کے متعلق اپنے مریدوں کو منع کرتے ہیں۔

حضرت:۔ ہاں میں اپنے مریدوں کو منع کرتا ہوں۔ گو شرعی طور پر حرام نہیں ہے۔ لیکن یہ کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ ایسا ہی شراب اور دوسری منشیات سے بھی منع کرتا ہوں۔ جو اسلام میں جائز نہیں ہیں۔

پریذیڈنٹ:۔ افیون اور کوکین بھی۔

حضرت:۔ ہر قسم کے نشہ سے منع کرتا ہوں۔

پریذیڈنٹ:۔ کیا اوپیم کے عادی پاگل ہو جاتے ہیں!

حضرت:۔ میں نے ایسا نہیں دیکھا۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے۔ جو ساٹھ ساٹھ سال سے افیون استعمال کرتے آئے ہیں۔ میں اپنے مریدوں کو خاص طور پر منع کرتا ہوں۔ جو افیون کے عادی ہوں۔ ان کو بھی روکتا ہوں۔ اور اکثروں نے چھوڑ دی۔ ایک بہت دیر سے افیون کھاتا تھا۔ لوگوں نے اس کو کہا۔ کہ تو اگر چھوڑ دے گا۔ تو مر جائیگا۔ اس نے کہا۔ کہ امام نے حکم دیا ہے۔ میں اس کی تعمیل کروں گا۔ کچھ حرج نہیں اگر مر جاؤں۔ مگر اس حکم کو پورا کروں گا۔

اس کے بعد حضرت صاحب نے اپنے خدام کو پریذیڈنٹ سے خود انٹروڈیوس کرایا۔ اور ہم سب وہاں سے رخصت ہوئے یہ جلسہ نہایت کامیابی اور خوش اسلوبی سے ختم ہوا ایسا سی حالات حاضرہ پر حضرت کی تقریر کی تمام لوگ جو موجود تھے۔ فرداً فرداً تعریف کرتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ انہوں نے نیا علم حاصل کیا ہے۔ اور ان خیالات کو ہندوستان میں انگریزی حکومت کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ بااخلاق افسروں کے بھیجے جانے کی تجویز کو نہایت اہم قرار دیتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا لیکچر یہ ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِرُ

ہندوستان کے حالاتِ حاضرہ اور اتحاد پیدا کرنے کے ذرائع

سیاسی امور پر تقریر کرنے کی ضرورت

صدر جلسہ! بہنو اور بھائیو! گو میں ایسا آدمی ہوں جس کی زندگی دینی کاموں کے لئے وقف ہے لیکن چونکہ سیاست گو مذہب میں داخل نہیں، مگر کئی پہلوؤں سے اس کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اور چونکہ دنیا کے امن کا قیام مذہب کی سب سے بڑی غرضوں میں سے ہے۔ جو کبھی قائم نہیں ہو سکتا جب تک سیاسی امن بھی قائم نہ ہو۔ اس لئے میں نہایت ہی خوش ہوں کہ مجھے ہندوستان کے موجودہ حالات اور ان کے علاج کے متعلق بولنے کا موقع ملا ہے۔

میرا کسی پولیٹیکل پارٹی سے تعلق نہیں

پیشتر اس کے کہ میں اپنے مضمون کو شروع کروں، میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے ہندوستان کی کسی پولیٹیکل جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ہمیں گورنمنٹ کا خوشامدی کہتے ہیں۔ لیکن جو شخص ہمارے حالات سے واقف ہے جانتا ہے کہ ہماری پولیسی آزاد ہے۔ ہم جیسا موقع ہو۔ گورنمنٹ کی پولیسی پر یا قوم پرستوں کی پولیسی پر نکتہ چینی کرنے سے باز نہیں رہتے۔ مگر ہاں ہمارا یہ اصل ہے۔ کہ ہمیں کبھی ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ جس سے ملک کی قائم شدہ گورنمنٹ کے لئے کام کرنا مشکل ہو جائے۔ ورنہ ہم گورنمنٹ سے نہ کسی انعام کے امیدوار ہوتے ہیں۔ نہ پسند کرتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ ملکی خدمات کے بدلہ میں لوگوں کو انعام دے۔ کیونکہ اس سے نیک نیتی کی خدمت کی رُوح مر جاتی ہے۔ اور ملک کو انجام کار نقصان پہنچتا ہے۔

ہندوستان کی جغرافیکل حالت

اس تمہید کے بعد میں سب سے پہلے ہندوستان کی جغرافیکل اور سوشل حالت بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ بغیر اس حالت کے علم کے کوئی شخص ہندوستان کے متعلق صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس کے مشرقی اور شمالی طرف چینی حکومت ہے۔ اور شمال مغربی طرف افغانستان کی حکومت۔ چینی حکومت گو خود ایسی نہیں ہے کہ اس سے ہندوستان پر حملہ کی امید کی جاوے۔ مگر چینی سرحد پر ایسی ریاستیں موجود ہیں۔ جو جنگی نسل کے لوگوں سے آباد ہیں۔ اور اگر ہندوستان کسی وقت کمزور ہو جاوے تو بعید نہیں۔ کہ وہ ہندوستان کے بعض حصوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔ جس طرح کہ وہ پہلے بھی کرتی رہی ہیں۔

افغانستان ایک ایسا علاقہ ہے۔ جہاں کے لوگوں کو یقین ہے کہ ہندوستانی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور پرانی روایات ان کے جوشوں کو قائم رکھتی ہیں۔ افغان اپنے دل سے اس بات کو نہیں نکال سکتے۔ کہ ہمیشہ ہندوستان شمالی حملہ آوروں کے حملوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہا ہے۔ پس اگر ہندوستان میں حکومت طاقتور نہ ہو۔ تو ہندوستان ہر وقت بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ نہیں ہے۔ ان حملوں کے علاوہ جو خشکی کی طرف سے ہو سکتے ہیں۔ سمندر کی طرف سے بھی ہندوستان محفوظ نہیں ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ہندوستان میں حکومت کے کمزور ہونے پر سولھویں اور سترھویں صدی کی دست درازیوں کا زمانہ پھر نہ آ جائیگا۔ اور بعض چھوٹے چھوٹے علاقے ایک وسیع ہونے والی حکومتوں کے لئے بیج کا کام نہ دینگے۔

قومی حالت

قومی حالت ہندوستان کی یہ ہے۔ کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک مختلف قوموں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ باہر سے آنے والی قوموں میں سے پٹھان سب سے زیادہ ہیں۔ پھر سید اور مغل اور قریشی ہیں۔ ان کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی قومیں بھی ہیں۔ خود ہندوستان کی بہت سی قومیں ہیں۔ براہمن۔ راجپوت۔ مرہٹے۔ جاٹ۔ گوجر۔ بنئے۔ آرائیں۔ کشمیری۔ ککے زئی۔ ان قوموں کے علاوہ شودر یا نجس اقوام بہت سی ہیں جیسے چوہڑے۔ چمار۔ گونڈ۔ بھیل۔ نامسودر وغیرہ۔ یہ تمام قومیں ابھی تک اپنی علیحدہ ہستی کو قائم رکھے چلی جاتی ہیں۔ اور ان میں ایسا قومی اتحاد ہے۔ کہ کوئی خارجی اثر اس کو مٹا نہیں سکتا۔ ہندوستان کے الیکشن اس قدر لیاقت یا اصول کی بنیاد پر نہیں ہوتے جس قدر کہ قومیت کی بنیاد پر۔ جب کوئی شخص کسی لوکل یا امپیریل انسٹیٹیوٹ کی ممبری کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلا سوال اس کے متعلق یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا اس کے علاقہ میں اس کی قوم کے اس قدر آدمی ہیں۔ کہ اس کو جیتنے کی امید ہو۔ پچھلے الیکشن میں ہمارے ضلع سے سات آٹھ آدمی امیدوار کھڑے ہوئے تھے۔ مگر وہی لوگ آخر تک رہ سکے۔ جو قومی ووٹ رکھتے تھے۔ راجپوتوں نے راجپوت امیدواروں کو۔ گوجروں نے گوجر کو۔ اور پٹھانوں نے پٹھان امیدوار کو ووٹ دئیے استثنا ہوتے ہیں۔ مگر قانون یہی ہے۔

مذہبی حالت

مذہبی حالت یہ ہے کہ ہندو مسلم کا سوال ہمیشہ زور پر رہتا ہے گو بعض لوگ ایسے ہوں۔ کہ ملکی فائدہ کو قومی فائدہ پر مقدم کریں۔ مگر کثرت سے لوگ ایسے ہی ہیں۔ کہ مذہبی تعصب کو دُور نہیں کر سکتے۔ گورنمنٹ کے ہر صیغہ میں چھوٹے عہدوں کے متعلق جو مقامی طور پر دئیے جاتے ہیں۔ یہ بات نظر آئے گی۔ کہ مذہبی تعصب رونما ہو گا۔ مسلمان چونکہ تعلیم میں پیچھے رہ گئے تھے اس لئے لازماً سرکاری ملازمت میں بھی کم تھے۔ اب تعلیم یافتہ مسلمان بہت کثرت سے مل سکتے ہیں مگر ان کو ملازمت نہیں ملتی۔ کیونکہ قومی تعصب ہمیشہ راستہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی باون ۵۲ فی صدی سے بھی زیادہ ہے۔ مگر سرکاری ملازمتوں میں وہ تیس ۳۰ فی صدی کے بھی حصہ دار نہیں ہیں۔ ٹیکنیکل کالجوں میں ان کو داخلہ کا موقع نہیں ملتا۔ جس وقت انگریزی حکومت کا سوال ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ عمدہ گورنمنٹ سلف گورنمنٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر جس وقت ملازمت کا سوال ہوتا ہے۔ تو کہا جاتا ہے۔ کہ اصلی معیار لیاقت ہے۔ کسی قوم کو بحیثیت قوم کے حکومت میں کوئی حق نہیں ہے۔ مگر لیاقت کی تعریف ایسی غیر معین ہے۔ کہ دوسری قوموں کے آدمی اس کا وجود اپنی ذات میں ثابت ہی نہیں کر سکتے۔ غرض سوائے نہایت محدود جماعت کے باقی لوگوں میں سخت تعصب کے آثار پائے جاتے ہیں۔

زبان کا سوال

زبان کا سوال بھی نہایت پیچیدہ ہے۔ سلف گورنمنٹ کے لئے ایک سرکاری زبان ہونا ضروری ہے۔ ہندوستان میں بیسیوں زبانیں ہیں۔ علاوہ اُردو کے جو پنجاب یو۔ پی۔ بہار۔ حیدرآباد صوبہ [illegible]

بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ باقی ہندوستان کے صوبوں میں بھی کم و بیش اس کا رواج ہے۔ ہندی زبان ہے۔ بنگالی ہے۔ سندھی ہے۔ ٹامل ہے۔ ٹیلگو ہے۔ مالا باری ہے۔ اُڑیا ہے۔ کشمیری ہے۔ پشتو ہے۔ مرہٹی ہے۔ گجراتی ہے۔ ان سب زبانوں میں سے اُردو اور ہندی کے متعلق اختلاف ہے کہ کونسی زبان ملکی زبان ہونی چاہئے۔ ہندو پورا زور لگاتے ہیں کہ ہندی زبان کو ملکی زبان قرار دیا جاوے۔ اور مسلمان اس بات پر مصر ہیں۔ کہ اُردو زبان اصل قرار دی جاوے۔ اور اس اختلاف میں پھر قومی اور مذہبی تعصب کا دخل ہے۔ ہندی کا زیادہ رواج ہندوؤں میں ہے۔ اور اُردو کا مسلمانوں میں۔ اگر ملک میں ہندی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا جاوے تو اکثر مسلمانوں کو ملازمت سے علیحدہ ہونا پڑے۔ کچھ دنوں سے بنگالی کی نسبت بھی کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بھی سرکاری زبان ہونے کی امیدواری کی خواہش رکھتی ہے۔

رواداری کا فقدان

یہ تمام اختلاف ملکر ہندوستان کی طاقت کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان اختلافات کو مٹانے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ بلکہ ان کو بڑھایا جاتا ہے۔ رواداری بالکل نہیں ہے۔ مختلف مذہب تو الگ رہے۔ خود ایک مذہب کے ساتھ تعلق رکھنے والوں میں ایک دوسرے سے انصاف کی امید نہیں ہوتی۔ ابھی ایک احمدیہ مشنری کو افغانستان میں صرف مذہبی اختلاف کی وجہ سے سنگسار کیا گیا ہے۔ مجھے پرسوں ہی گورنمنٹ آف انڈیا کی تار ملی ہے جس میں اس نے تصدیق کی ہے۔ کہ وہ خالص مذہبی مخالفت کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ مگر انسانی ہمدردی کا یہ حال ہے۔ کہ ہندوستانی مسلمانوں کے سب سے بڑے مذہبی کالج دیوبند کے پروفیسروں نے جلسہ کرکے امیر افغانستان کو تار دیا ہے کہ اس نے بہت ہی اچھا کام کیا ہے۔ اور اس سے امید کی جاتی ہے۔ کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کرے گا۔ ان اختلافات کی وجہ سے قومی فوائد کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ مثلاً سود کا لین دین قریباً سب کا سب ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا بہت بڑا اثر غربا پر پڑتا ہے۔ جو مسلمان ہیں۔ گورنمنٹ بھی چاہتی ہے۔ کہ کچھ اس کا تدارک ہو۔ مسلمان بھی چاہتے ہیں۔ کہ یہ مصیبت ان کے گلے سے اترے۔ لیکن ہندو زمیندار جو خود بھی اس بلا کے پنجہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہر ایک اس کوشش کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو سود کے محدود کرنے کے لئے ہو۔ اس لئے کہ اس کا زیادہ فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ اسوقت سود کا ایسا خطرناک بوجھ غربا پر ہے۔ کہ بعض دفعہ سو روپیہ لے کر لوگوں کو چار چار پانچ پانچ ہزار دینا پڑتا ہے گورنمنٹ نے کواپریٹو بنکوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ مگر اس کا زیادہ تر فائدہ پنجاب کے بعض علاقوں کو پہنچا ہے۔ یو۔پی۔ بہار وغیرہ کے علاقوں میں اب تک اس بلا سے لوگوں کو نجات نہیں ہوئی

ہندو برات اگر باجہ بجاتی ہوئی مسلمانوں کی مسجد کے سامنے سے گذر جائے۔ تو اس کو مارنے کو دوڑ پڑتے ہیں اور اگر مسلمان کسی ہندو مندر کے پاس سے گذریں تو ہندو ان پر حملہ کرتے ہیں۔ محرم اور عید پر ہندو لڑ پڑتے ہیں۔ اور دسہرہ اور دیوالی پر مسلمان۔ اور وجہ صرف یہ ہوتی ہے۔ کہ فلاں پروسیشن فلاں گلی سے کیوں گذرا۔ اور فلاں شخص اپنے کھانے کے لئے گائے کا گوشت کیوں لایا۔ دو سمجھدار قوموں کا ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے لڑنا کیا قابل تعجب نہیں ہے۔

ہندوستان زبردست جنگی طاقت کا محتاج ہے

ان حالات کو دیکھکر لازماً ماننا پڑتا ہے کہ ہندوستان ابھی مکمل سلف گورنمنٹ کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ ابھی ایک ایسی قوم کی مدد کا محتاج ہے۔ جو اوّل تو زبردست جنگی طاقت رکھتی ہو۔ تاکہ اسے خشکی اور تری کے حملوں سے بچائے۔ کیونکہ بوجہ جنگی سامانوں کی عدم موجودگی کے اور فنون جنگ سے ناواقفی کے ہندوستان ابھی اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتا دوسرے وہ قوم ہندوستان سے باہر کی ہو تاکہ مختلف اقوام کے درمیان توازن قائم رکھ سکے۔ اور کسی قوم کو اس کے خلاف یہ شکایت پیدا نہ ہو۔ کہ وہ کسی کی رعایت کرتی ہے۔ اور میرے نزدیک انگریزوں سے زیادہ اور کوئی قوم اس کے لئے مناسب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ ہندوستان کو جانتے ہیں۔ اور ہندوستانی ان کو جانتے ہیں۔

دوسرا رخ

یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ مگر کبھی نتیجہ صحیح نہیں نکلتا۔ جب تک کہ تصویر کے دونوں رخ نہ دیکھے جائیں۔ اس لئے ہم کو ہندوستان کے حالات کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہئے۔ ہندوستان میں اب مغربی تعلیم کا چرچا پھیلتا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو پہلے اسے گناہ سمجھ کر اس کے قریب نہیں جاتے تھے۔ اب ضرورت سے مجبور ہو کر اس کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ مغربی تعلیم کے ساتھ ہی مغرب کی آزادی اور اقتصادی ترقی اور علمی فروغ کا خوشنما منظر بھی لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آرہا ہے۔ وہ جو کچھ کتب میں پڑھتے ہیں۔ اس کو جب اپنے گرد و پیش نہیں دیکھتے۔ تو قدرتاً ان کے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور جس طرح اس شخص کا حال ہوتا ہے۔ کہ جو اپنا کام دوسروں سے کرانے کا عادی ہوتا ہے۔ اور جب کام اس کے نزدیک خراب ہو۔ تو بغیر اس امر پر غور کرنیکے کہ حالات کی مجبوریوں کی وجہ سے وہ کام خراب ہوا ہے۔ وہ اس کام کے کرنیوالے کو بُرا کہنے لگتا ہے۔ اسی طرح ہندوستانیوں کے دلوں میں گورنمنٹ کے خلاف جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی سستی کی وجہ سے کام درست نہیں ہوتے پھر جب کہ وہ مغربی قوموں کی ترقی کے ساتھ ان کے حکومتی نظام پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ان کو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ مغرب کی ترقی کا اصل باعث اس کا نیابتی طریقہ حکومت ہے اور ان کے دلوں میں بھی ترقی کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ ہمیں بھی یورپ کی قوموں کی طرح حکومت میں دخل حاصل ہو۔ اور یہ انکی خواہش طبعی ہے۔ انپر اس دلیل کا کچھ اثر نہیں ہوتا کہ تمہارا ملک تعلیم میں کم ہے۔ کیونکہ وہ فوراً جواب دیدیتے ہیں۔ کہ جسوقت مغربی اقوام کو آزادی حاصل ہوئی ہے۔ اسوقت کی نسبت ہماری تعلیم مغربی لوگوں سے کم نہیں ہے۔ دوسرا جواب وہ یہ دیتے ہیں۔ کہ تعلیم ہمارے ہاتھ میں نہ تھی اگر تعلیم کم ہے تو اسکی جوابدہ گورنمنٹ ہے نہ ہم۔ اس طرح تو ایک قوم کو تعلیم میں پیچھے رکھکر ہمیشہ کی غلامی میں رکھا جا سکتا ہے۔

اہل مغرب سے میل جول

مگر تعلیم سے بھی زیادہ اثر کرنیوالی چیز انکا وہ بڑھنے والا تعلق ہے جو مغرب سے انکو پیدا ہو رہا ہے۔ جوں جوں ہندوستانی باہر نکلتے ہیں۔ وہ مغربی طرز حکومت کو عملی صورت میں دیکھکر اسی قسم کی حکومت اپنے ملک میں جاری کرنی چاہتے ہیں۔ آج ہزاروں لاکھوں آدمی ہندوستان کا مغربی ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔ حالانکہ ایک وقت وہ تھا۔ کہ ایک ہندو اگر ملک سے باہر جاتا تھا۔ تو اس کی قوم اسکو فوراً قوم سے خارج کر دیتی تھی۔ کیونکہ انکے نزدیک ہندوستان سے باہر جاتے ہی ہندو اپنے مذہب سے الگ ہو جاتا تھا۔ آج کوئی مغربی ملک نہیں جہاں ہندوستانی باشندے عارضی یا مستقل رہائش نہیں رکھتے۔ باہر آنے والے لوگ جو خیالات انکے دلمیں پیدا ہوتے ہیں ان کو واپس جاکر یا خطوں کے ذریعہ سے باقی ملک میں پھیلاتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ روز بروز ان لوگوں کی تعداد بڑھتی جاری ہے۔ جو نیابتی حکومت کے خواہشمند ہیں۔ یہ لوگ جو ہندوستان سے باہر جاتے ہیں۔ ان کے خیالات تین طرح متاثر ہوتے ہیں۔ اوّل باہر کی حکومتوں کو دیکھکر۔ دوسرے اس وجہ سے کہ بعض جگہ پر ہندوستانیوں سے اچھا معاملہ نہیں کیا جاتا۔ اور ان کے دلوں میں اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہماری اپنی حکومت ہوتی۔ تو ہمیں اس طرح ذلیل نہ کیا جاتا۔ اور اگر کوئی ہمیں ذلیل کرنیوالی بات کر بھی بیٹھتا۔ تو فوراً ہماری حکومت ہماری مدد کو آتی تیسرے بعض مغربی حکومتوں کے لوگ انگریزی حکومت سے عداوت کی وجہ سے ہندوستانیوں کے قومی جوش کو ابھارنے کے لئے ہمیشہ ان ہندوستانیوں کو جو آج ان کے ملک میں جاتے ہیں یہ طعنہ دیتے ہیں۔ کہ تم لوگ کیسے معزز ہو۔ جن پر ایک چھوٹے سے جزیرہ کے لوگ حکومت کر رہے ہیں۔ دنیا میں دلیلیں اس قدر گہرا اثر نہیں کرتیں۔ جس قدر کہ طعنے اثر کرتے ہیں۔ اور یہ طعنے بہت سے ہندوستانیوں کے دلوں میں گہرے زخم کر چکے ہیں۔

گذشتہ جنگ کا اثر

گو سب سے زیادہ ہندوستانیوں کے خیالات کو بدلنے والی پچھلی جنگ ثابت ہوئی ہے۔

انگریزوں سے سب سے زیادہ ملنے کا موقعہ تعلیم یافتہ لوگوں کے بعد ہندوستانی سپاہی کو ملتا تھا۔ مگر وہ ان روایات کے ماتحت جو نسلاً بعد نسل چلی آتی ہیں۔ انگریزی سپاہی کی برتری کو تسلیم کئے چلا آتا تھا۔ اور انگریز سپاہی اس سے الگ بھی رکھا جاتا تھا۔ اور جو نئے سپاہی آتے تھے۔ وہ اپنے سے پہلے سپاہیوں سے مگر عام طور پر ہندوستانی سپاہی سے الگ رہنے کے عادی ہو جاتے تھے۔ مگر اس جنگ نے نقشہ ہی بدل دیا۔ ہندوستان سے ایک وقت میں پانچ لاکھ آدمی کے قریب غیر ممالک میں رہا۔ اسے پہلے فرانسیسیوں میں رہنے کا موقع ملا جنہوں نے موقع کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر ان کی خوب خاطر کی۔ پھر اس کی جگہ کو بدل تو دیا گیا۔ مگر پھر بھی بجائے انگریز سپاہیوں کے ساتھ اسے رہنے کا موقع ملا جو انگلستان سے وہاں تازہ گئے تھے۔ اور ہر وقت کے ساتھ رہنے۔ اور جنگ کے خطرناک دنوں کے اثر کی وجہ سے اپنے رُعب و رُد کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس ہندوستانی سپاہی جو پہلے صرف اطاعت اور ادب سے واقف تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ میرے بھی کچھ حقوق ہیں۔ اور ہندوستانی طریق حکومت کے علاوہ دنیا میں اور بھی طریق حکومت ہیں۔ یہ لاکھوں آدمی جو ملک کے گوشہ گوشہ کے قائم مقام تھے۔ جب جنگ سے واپس گئے تو انہوں نے ان علاقوں میں بھی جہاں کہ تعلیم کی وجہ سے لوگ اس امر کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ کہ دنیا میں ایک سے زیادہ طریق حکومت بھی ہیں۔ ان خیالات کو پھیلا دیا۔ اور ہندوستانی کثیر آبادی گو مغربی ممالک کے طریق حکومت کی باریکیوں سے واقف نہ تھی۔ اور نہ ہے۔ مگر اس امر کو خوب سمجھ گئی۔ کہ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اپنے ملک کے لوگوں کے ذریعہ سے ملک پر حکومت کی جائے۔ اور یہ کہ سارا دنیا کے پردہ پر اس حکومت کو بہتر سمجھا جاتا ہے۔

جنگ کا ایک اور بھی اثر ہوا۔ اس جنگ سے پہلے عام ہندوستانی یہ خیال کرتا تھا۔ کہ انگریزوں کے برابر اور کوئی قوم نہیں۔ ان کے نزدیک سب دنیا مل کر بھی انگریزوں کو پریشان نہیں کر سکتی تھی۔ اور وہ اس خیال پر ایسا مضبوط تھا۔ کہ اس کے نزدیک انگریزوں سے حکومت ہند کا مطالبہ کرنا ایسا ہی تھا۔ جیسے چاند لینے کی خواہش کرنا۔ لیکن جنگ میں جب اس کے گھر پر افسروں نے متواتر آنا اور یہ کہنا شروع کیا۔ کہ اس وقت سرکار پر سخت مصیبت ہے۔ ان کو سرکار کی مدد کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت دینا چاہئے۔ جرمن نے بلا وجہ سرکار انگریزی سے لڑنا شروع کر دیا ہے۔ تو تمام ملک کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک آنکھیں کھل گئیں۔ اور انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ دنیا میں ایک ہی حکومت نہیں ہے بلکہ اور بھی ہیں۔ اور جوں جوں ریکروٹنگ پر زور دیا جانا شروع ہوا۔ ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بڑھتا گیا۔ کہ جرمن کی حکومت انگریزوں سے زیادہ زبردست ہے۔ اور یہ کہ ہندوستان ایسا کمزور نہیں ہے۔ اس وقت انگلستان اپنے بچاؤ کے لئے اس کی مدد کا محتاج ہے۔

جنگ سے پہلے لوگ اس قدر اخبار پڑھنے کے عادی نہ تھے لیکن جب ہر قصبہ سے لوگ جنگ پر جانے شروع ہوئے۔ تو ان کے عزیزوں رشتہ داروں نے قدرتاً اخباروں کا مطالعہ شروع کیا۔ تاکہ ان کو جنگ کے حالات معلوم ہوتے رہیں۔ اور دل کو ایک حد تک تسلی بھی ہو۔ اس اخباری مطالعہ سے ان کی عام علمیت میں بھی اضافہ ہوا۔ اور جنگی اخراجات کے نقصانات کے حالات پڑھ کر اور یہ دیکھ کر کہ ہر طرف جرمنی کا ہی شور ہے۔ ان کے دلوں میں یہ خیال اور بھی مضبوط ہو گیا۔ کہ انگریزی حکومت ایسی مضبوط نہیں ہے۔ جیسی کہ وہ سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے تو بعض نے جرمنی کی طاقت کے ایسے نقشے کھینچ دئے کہ ان کو سنکر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ پھر ان اخباروں کے ساتھ ساتھ وہ قومی آزادی کے مضمون پڑھتے رہے۔ جو اخباروں میں چھپتے تھے اور اس سے ان کی سیاسی دلچسپی ترقی کر گئی۔

عوام الناس پر تو یہ اثر پڑا۔ تعلیم یافتہ طبقہ پر جنگ کا یہ اثر پڑا کہ جنگ کے دوران میں اس مسئلہ پر خاص طور پر زور دیا گیا۔ ....

....

.... کہ کسی حکومت کو حق نہیں کہ وہ کسی ملک کی آبادی کی مرضی کے خلاف اس پر حکومت کرے۔ اور اس پر اس قدر زور دیا گیا کہ یہ اصل ایک ازلی مذہبی اصل کی طرح مقدس ہو گیا۔ ہندوستان کے بعض ہوشیار سیاسی لیڈروں نے خوب پھیلا پھیلا کر اس اصل کو شائع کیا۔ اور اس موقع کا انتظار بڑے شوق سے کرنے لگے۔ جبکہ اس اصل کو استعمال میں لایا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ جنگ کے دوران میں ہندوستان کا سیاسی مطلع بالکل بدل گیا۔ اور دوسرے بھی حالات سے مل کر اس نے ہندوستان میں ایک ایسا تغیر پیدا کر دیا ہے۔ کہ انسان اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اس تغیر نے لوگوں کے اندر سلف گورنمنٹ کی ایک پوشیدہ خواہش پیدا کر دی۔ جس کے ابھرنے کے لئے کسی تحریک کی بھی ضرورت تھی۔

جنگ کے بعد کی حالت

جنگ کے ختم ہوتے ہی ایسے سامان پیدا ہونے لگے۔ جن سے ایک یہ تحریک بھی پیدا ہو گئی۔ جنگ کے بعد لاکھوں آدمی جو جنگی کاموں پر مقرر تھے فارغ ہو گئے۔ اور ان کو اپنے گھروں میں واپس آ کر کام نہ ملے جن سے ان کا ایسا گذارہ ہو سکتا۔ جیسا کہ اب وہ عادی ہو چکے تھے۔ دوسرے ریکروٹنگ کے وقت لوگوں کو بہت امیدیں دلائی جاتی تھیں کہ ان کو بہت سے فوائد ہوں گے اور چونکہ چند سال پہلے سرگودہا اور لائل پور میں آبادی کی خاطر گورنمنٹ نے لوگوں کو مربعے دئے تھے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ اس قسم سے دئے تھے۔ کہ فلاں شخص نے گاؤں میں چیچک کا ٹیکہ لگوا دیا تھا۔ ہر شخص جو جنگ کو جاتا تھا۔ اسے یہ امید تھی۔ کہ وہاں سے آتے ہی اسے کم سے کم ایک مربعہ زمین کا ضرور ملے گا۔ گورنمنٹ کے پاس اس قدر زمین نہ تھی۔ کہ سب کو خوش کر سکے۔ اس لئے واپس آنے والے سپاہیوں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ اس عرصہ میں صلح کی تجویز شروع ہوئی۔ اور تعلیم یافتہ ہندوستانی جو یہ امید لگائے بیٹھے تھے۔ کہ صلح کے ہوتے ہی بہت کچھ حقوق ہندوستان کو ملیں گے۔ اس امید کے بر نہ آنے پر برافروختہ ہو گئے۔ اگر مختلف ناموں کے ماتحت بعض اور ڈومینیز کو فائدہ نہ پہنچتا تو ہندوستانیوں کو اس قدر محسوس نہ ہوتا۔ مگر چونکہ گو لفظاً اقرار نہ کیا جاتا ہو۔ مگر فی الواقع جنگ میں تعاون کی وجہ سے بہت سی نوآبادیوں کو فائدہ پہنچا اور اس کا ہندوستان پر بہت ہی برا اثر پڑا اور اس کا نقطۂ نگاہ بدل گیا۔

حصول سوراج کی خواہش

رولٹ ایکٹ اور تحریک خلافت کے ایسے بہانے بن گئے۔ جن کے ذریعہ سے پوشیدہ خواہشات جو ملک میں پیدا ہو رہی تھیں بیدار ہو گئیں۔ اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک لوگ سلف گورنمنٹ کی نہ پوری ہونے والی امید کے حصول کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور تمام مذکورہ بالا امور نے اس خواہش میں عوام الناس کو بھی شامل کر دیا۔ میرے نزدیک ہندوستان میں امن کبھی نہیں قائم ہو سکتا۔ جب تک انگلستان کے لوگ ان امور کو مدنظر نہ رکھیں جو ہندوستان میں بے چینی پیدا کرنے کے موجب ہیں۔ اور وہاں کی اصلی حالت سے واقف ہوں۔ اور میں آپ لوگوں کو بڑے زور سے اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اب سلف گورنمنٹ کی تحریک ہرگز شہروں اور تعلیم یافتہ لوگوں تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ تحریک گاؤں اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں پھیل گئی ہے۔ عورتیں جو ہندوستان میں بہت ہی کم تعلیم رکھتی ہیں۔ وہ بھی اس سے واقف ہو گئی ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ جنگ نے ہر گاؤں کو طلباء پالیٹکس کا ایک سکول بنا دیا ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ کہ عوام الناس اس امر کی حقیقت کو نہیں سمجھے کہ سلف گورنمنٹ کی حقیقت کیا ہے۔ مگر اس امر سے اس حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کہ ملک کا بیشتر حصہ اس تحریک سے متفق ہے۔ وہ سوراج کو جانتا ہے۔ یا نہیں۔ مگر وہ اس کو حاصل ضرور کرنا چاہتا ہے۔

موجودہ حالات میں سب سے بڑی تباہی

ان حالات کو جب دیکھا جاتا ہے تو مجبوراً ماننا پڑتا ہے۔ کہ ہندوستان کی اس خواہش کا کچھ علاج ضرور ہونا چاہئے۔ ورنہ قیام امن مشکل ہو گا۔ مگر میں جو حالات پہلے حصہ مضمون میں بتلا آیا ہوں۔ وہ اس کے مخالف ہیں۔ کہ ہندوستان کو موجودہ وقت میں سوراج ملے۔ جو قومیں اس وقت ایک دوسرے سے انصاف نہیں کر سکتیں۔ اور ایک معمولی سے اشتعال پر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ وہ اس وقت کیا کریں گی۔

جب انگریز واپس آجاویں۔ اور ان کو کامل اختیارات حاصل ہو جائیں۔ میرے نزدیک ہندو مسلمان بھی اپنے دلوں میں اس امر کو خوب سمجھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کم سے کم ایک حصہ اپنے دلوں میں اس امر پر خوش ہے۔ کہ ہم طاقتور ہیں۔ انگریزوں کے باہر نکلتے ہی ہم حکومت پر قابض ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کو اپنی طاقت اور ہمسایہ مسلمان حکومتوں پر گھمنڈ ہے۔ ہندوؤں کو اپنی تعداد اور بعض ہمسایہ بدھ حکومتوں پر گھمنڈ ہے۔ ہنایت دبی آرزوؤں میں ہم گورکھا اور سکھ بھی اور پٹھان سپاہی کی قابلیت اور طاقت کے مواز نے سکتے ہیں۔ اور میرے نزدیک ہندو قوم ایسی منتظم ہو چکی ہے۔ کہ مسلمانوں کا دعوے ایک ورثہ میں ملے ہوئے خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ پس میرے نزدیک موجودہ حالات میں سب سے بڑی تباہی ہندوستان کے لئے یہی ہو سکتی ہے۔ کہ انگریز اپنا قدم وہاں سے ہٹالیں۔ سلف گورنمنٹ اچھی چیز ہے۔ مگر وہ سلف گورنمنٹ جو سیلفش سرکشی کی طرف لیجاتی ہے۔ ہرگز قابل پسند نہیں۔

مگر ہمارا یہ فیصلہ کہ اس وقت کے مشکل حالات ہندوستان کو سلف گورنمنٹ دلانے کی تائید نہیں کرتے کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ خواہش پیدا ہو چکی ہے۔ اور عام بھی ہو چکی ہے۔ اور اگر اس خواہش کو کسی طرح ٹھنڈا نہ کیا گیا۔ تو اس سے مایوسی پیدا ہو گی۔ اور اس کے نتیجہ میں پھر مایوسی کا نتیجہ یا ہلاکت نفس ہوتی ہے۔ یا ہلاکت غیر۔ پس سلف گورنمنٹ دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ دونوں صورتوں میں ہلاکت ہندوستان کا منہ تک رہی ہے۔ اور برٹش ایمپائر کے بہی خواہوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اس کا علاج سوچیں۔ کیونکہ ہندوستان کی ہلاکت میں ایمپائر کی ہلاکت ہے۔ اور برٹش ایمپائر کے بدخواہ بھی اسی امر پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

ریفارم سکیم

بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارم سکیم اس کا علاج ہے۔ میرے نزدیک جن اصول پر اس رپورٹ کی بنیاد ہے۔ اور جس نیت سے تیار کی گئی ہے وہ قابل تعریف ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس سکیم میں بعض اصولی غلطیاں ایسی رہ گئی ہیں۔ کہ یہ سکیم اپنی موجودہ صورت میں ہندوستان کی بیماری کا علاج نہیں ہے۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ اس سے زیادہ اختیارات ہندوستانیوں کو دینے چاہئیں۔ جو یہ سکیم دیتی ہے بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طریق سے اختیار دیئے گئے ہیں۔ وہ درست نہیں بلکہ ان سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ جس وقت اس سکیم کو رائج کیا گیا ہے۔ اس وقت اس کے متعلق میری رائے بھی پوچھی گئی تھی۔ اور میں نے جو رائے اس وقت دی تھی۔ گو اس وقت کے حالات کے ماتحت کہ حکام میں ایک قسم کی ضد پیدا ہو رہی تھی۔ قبولیت کے قابل نہیں سمجھی گئی تھی۔ مگر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ میری رائے درست تھی۔

ریفارم سکیم نے ایک یہ اصل قرار دیا ہے۔ کہ ہندوستانی الیکیٹڈ ممبر کونسلوں میں زیادہ ہونے چاہئیں۔ میرے نزدیک یہ غلط اصل تھا۔ اور ایجی ٹیشن کی بنیاد یہیں سے رکھی گئی ہے۔ میں نے اعتراض کیا تھا کہ ضرور ہے۔ کہ مختلف وقتوں پر ہندوستانی ممبر گورنمنٹ کی رائے کے خلاف ہوں۔ جب وہ خلاف ہوں گے اور گورنمنٹ کے مسودہ کو رد کریں گے۔ یا اس کی رائے کے خلاف کوئی مسودہ پاس کریں گے۔ اور گورنمنٹ اس کو قبول کرے گی۔ تو گویا وہ خود اس کو باطل کر دے گی۔ کہ ابھی کچھ عرصہ کے لئے ہندوستان کامل سلف گورنمنٹ کے قابل نہیں ہیں۔

ویٹو صرف اس جگہ کام دیتا ہے۔ جہاں یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ کہ گو دارالنواب حکومت کی قابلیت رکھتا ہے۔ لیکن کسی غیر معمولی موقع کے خیال سے ویٹو کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے۔ اور چونکہ وہ شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر ملک اس قدر برافروختہ نہیں ہوتا۔ مگر جہاں اعلیٰ اتھارٹیز اس امر کو تسلیم کرتی ہیں۔ کہ ابھی دارالنواب حکومت کے قابل نہیں ہے۔ وہاں اس کو اختیار دے کر ویٹو سے بد نتائج کو رد کرنے کی کوشش کرنا گویا خود فساد پیدا کرنا ہے۔ غرض ویٹو کا طریق اسی وقت بغیر فساد پیدا کرنے کے کام دے سکتا ہے۔ جبکہ اصحاب قوانین اس امر کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہ جن لوگوں کے خلاف اس کو استعمال کرنا ہے۔ وہ فیصلہ کرنے کی پوری قابلیت رکھتے ہیں۔ اور ان کے فیصلہ کے خلاف اس کو استعمال کرنے کا موقعہ یا تو بالکل نہیں ملے گا یا شاذ و نادر ہی ملے گا۔

اسی طرح ایجی ٹیشن کا دروازہ بھی اسی وقت جائز طور پر کھولا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ حکام جن کے خلاف اس کو استعمال کیا جائے۔ رائے عامہ کے ماتحت بدلے جا سکتے ہوں۔ اس وقت بیشک ایجی ٹیشن ایک عمدہ ذریعہ عام رائے کے نفاذ کا ہے۔ مگر جب حکام عام رائے کے ماتحت بدلے نہ جا سکتے ہوں۔ تو پھر ایجی ٹیشن سوائے ریولیوشن کے اور کیا نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔ جب حکام عام رائے کے ماتحت ہوتے ہیں۔ تو وہ یہ نہیں دیکھتے کہ عام رائے صحیح ہے یا غلط۔ بلکہ جو عام رائے ہو۔ وہ اس کی اتباع کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ نہیں تو کام سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں کو موقعہ دیتے ہیں۔ جو عام رائے سے متفق ہیں۔ مگر جو حکام عام رائے کے ماتحت نہیں۔ وہ اگر دیانتدار ہوں۔ تو عام امور کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کہ کیا وہ بات ملک کے لئے مفید بھی ہے یا نہیں۔ اگر وہ کسی بات کو ملک کے لئے مضر پاتے ہیں تو اس کو رد کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف اگر ایجی ٹیشن ہو۔ اور حکام اور عام پبلک میں اتفاق نہ ہو سکے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ریولیوشن ہوگا۔ میرے نزدیک ریفارم سکیم بناتے وقت اس امر کو گورنمنٹ کے واضعین نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اور انگلستان کی موجودہ حالت پر قیاس کر کے ایجی ٹیشن کو ایولیوشن کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ ہندوستان میں ملک کی رائے کو گورنمنٹ کے مقرر کرنے یا الگ کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے وہاں ایسا طریق حکومت جو لازماً ایجی ٹیشن پیدا کرتا ہو یقیناً اثر بخش یا ریولیوشن ان دو میں سے ایک نتیجہ پیدا کرے گا۔

کیا ہونا چاہئے تھا

میری یہ رائے تھی اور اب بھی ہے۔ کہ کونسلوں میں کثرت رائے گورنمنٹ ممبروں کی ہونی چاہئے تھی لیکن گورنر جنرل اور گورنروں کو ہدایت ہونی چاہئے تھی۔ کہ جب ایسے حالات پیش ہوں۔ جن کی نسبت گورنمنٹ سمجھتی ہے۔ کہ کوئی فیصلہ بھی کونسل کرے۔ وہ اس پر عمل کریں گے۔ ان میں گورنمنٹ ممبر ووٹ نہ دیں۔ اور پبلک رائے پر اس معاملہ کو چھوڑ دیں۔ جو معاملات زیادہ اہم نہ ہوں لیکن ان کا اثر گورنمنٹ پر بھی پڑتا ہو۔ ان میں گورنمنٹ ممبروں کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنی ذاتی رائے کے مطابق عمل کریں۔ اور جس امر میں گورنمنٹ یہ سمجھے کہ وہ اپنے نقطہ نگاہ کو نہیں بدل سکتی۔ اس میں کثرت رائے سے جو اس کی جو کی فیصلہ کرے۔ اس امر کو نہیں بھولنا چاہئے۔ کہ انسانی فطرت ہر وقت زندہ رہتی ہے۔ اور عقل اور دلیل اس پر پورے طور پر غالب نہیں آسکتی۔ بلکہ یہ اس کا اثر بالکل اور پڑتا ہے۔ کہ اس کی منتخب کردہ جماعت ایک فیصلہ کرے اور اس کو رد کر دیا جائے۔ اور اس کا اثر اور پڑتا ہے۔ کہ ایک کونسل جس میں خواہ گورنمنٹ کے ممبر ہی ہوں۔ کثرت رائے سے ایک مسودہ کو رد کر دے یا پاس کر دے۔

دوسرا نقص ریفارم سکیم میں یہ رہ گیا ہے۔ کہ اس میں کامل اختیار ہندوستانیوں کو کسی صیغہ میں بھی نہیں ملے۔ اور جرح کرنے کا اختیار ہر صیغہ میں مل گیا ہے۔ بغیر ذمہ داری کے تنقید کرنا بالکل آسان ہوتا ہے۔ ذمہ داری انسان کو بہت محتاط بنا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ ہندوستانیوں کے لئے تسلی کی صورت کوئی پیدا نہیں ہوئی اور رنج کی صورتوں کے نکلنے کے لئے دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ میرا مشورہ یہ تھا۔ کہ دو صیغے مثلاً تعلیم اور جنگلات اور تعلیم یا کوئی اور صیغہ کلی طور پر ہندوستانیوں کو سپرد کر دیا جائے۔ صوبوں میں بھی اور مرکزی حکومت میں بھی ان صیغوں میں ہندوستانی وزرا گورنروں اور گورنر جنرل سے مل کر کام کریں۔ اور وزراء پورے طور پر کونسلوں کے ماتحت ہوں۔ اگر کونسلیں وزراء کے کام پر خوش نہ ہوں تو وہ کام سے علیحدہ ہو جائیں جس طرح کہ مغربی ممالک میں ہوتا ہے۔ اس کے کئی فائدے تھے۔ اول تو یہ کہ ہندوستانیوں کو بغیر حکومت کو کوئی معتد بہ نقصان پہنچانے کے حکومت کا تجربہ ہو جاتا۔

دوسرے ان کو یہ تسلی ہوتی کہ بعض صیغوں میں ان کو اپنی لیاقت اور حسن انتظام دکھانے کا موقعہ مل گیا ہے۔ تیسرے ملک کو بھی ممبران کونسل کے کام دیکھنے کا موقعہ ملتا اور صحیح اصول پر سیاسی پارٹیوں کی

جو یقیناً ملک کے لوگ ہندوستانی ممبروں کے ماتحت ہوں گے اور اس سے ایجی ٹیشن پیدا ہوگا۔ دور اگر اس [illegible] گورنمنٹ اس کو قبول کرے گی [illegible]

نتیجہ نما کا راستہ کھل جاتا۔ اب چونکہ ذمہ داری کوئی نہیں۔ صرف تنقید ہی ان کا کام ہے۔ اس لئے سب ملک ان کے کام کی خوبی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ ان کے ہندوستانی ہونے کے سبب سے ان کی تائید کرنے لگتا ہے۔ چوتھے وزراء چونکہ کونسلوں کے سامنے ذمہ دار ہوتے ان کو اپنے ہم خیال بنانے اور ان کو ساتھ ملائے رکھنے کا خیال رہتا اور مختلف خیالات میں توازن قائم رہتا۔ اب یہ ہوتا ہے۔ کہ وزراء گو ملکی ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ کونسل کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتے۔ اس لئے دوسروں کی دلجوئی اور ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی پوری کوشش نہیں کرتے۔ اور اس کا بد اثر گورنمنٹ کی نیک نامی پر پڑتا ہے۔ پانچواں زبردست فائدہ یہ تھا۔ کہ اس سے غیر ذمہ دارانہ تنقید کا دروازہ آسانی سے بند کیا جا سکتا تھا۔ اسی وقت اور انہیں معاملات میں موثر تنقید کا موقع کونسلوں کو دیا جاتا۔ جب اور جن معاملات کی نسبت خیال کیا جاتا۔ کہ ان کو ہندوستانیوں کے سپرد کر دینے سے کوئی ہرج نہیں۔ آئندہ سلف گورنمنٹ کی ترقی کے مدارج اختیارات کی زیادتی میں نہ ہوتے۔ بلکہ صیغوں کی زیادتی میں ہوتے اور رفتہ رفتہ پھر جو ہمیشہ محفوظ سمجھے جاتے۔ وہ ہندوستانیوں کو دے دیئے جاتے۔ اس طرح گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات بھی درست رہتے۔ اور دونوں فریقوں کو آپس میں نیک سلوک پیدا کرنے کا بھی موقع ملتا۔

اب کیا کیا جائے

مگر چونکہ ایک اور اصول پر ریفارم سکیم کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ اور اس سے اس کو ہٹانا شاید اصول سیاست کے خلاف سمجھا جائے۔ اس لئے موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے میرے نزدیک مندرجہ ذیل امور قابل عمل ہیں۔ جن کے علاج سے موجودہ شورش میں کچھ کمی ہو سکتی ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں علاج بتاؤں۔ موجودہ شورش کی نسبت آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ اس وقت ہندوستان میں معتدلین سے باہر دو پارٹیاں ہیں۔ اور یہ دونوں پارٹیاں عدم تعاون کے عنوان کے نیچے کام کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک مسٹر گاندھی کی پارٹی ہے۔ جس کا یہ خیال ہے کہ گورنمنٹ سے کلی طور پر عدم تعاون کرنا چاہئے نہ کونسلوں میں جانا چاہئے۔ نہ اس کے سکولوں میں داخل ہونا چاہئے نہ اس کی عدالتوں میں جانا چاہئے۔ دوسری پارٹی کے لیڈر داس اور نہرو ہیں۔ اول الذکر بنگال کے اور ثانی الذکر یو۔ پی کے مشہور وکیل ہیں۔ ان کی پارٹی کا یہ خیال ہے کہ ہمارے نان کواپریٹ کرنے سے گورنمنٹ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا جب کہ دوسرے لوگ ایسے موجود ہیں۔ جو گورنمنٹ سے کواپریٹ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک ایسی کواپریشن جس کا آخری نتیجہ موثر نان کواپریشن ہو جائے جائز ہے۔ اور اس اصل کے ماتحت یہ لوگ کونسلوں میں داخل ہوئے ہیں۔

اور ان کی ایک غرض تو اس سے یہ ہے۔ کہ انگلستان کے لوگوں پر ثابت کر دیں۔ کہ یہ امر غلط ہے کہ ملک کی رائے ان کے خلاف ہے۔ چنانچہ کثرت سے ان لوگوں کے نامزد کردہ ممبر کامیاب ہوئے ہیں۔ سوائے پنجاب کے جہاں ان کو بہت ہی کم کامیابی ہوئی۔ دوسری غرض ان کی یہ ہے۔ کہ جو لوگ گورنمنٹ سے کواپریٹ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو جہاں تک ہو سکے کونسلوں سے نکال دیں۔ تاکہ گورنمنٹ اور رعایا کا تعلق کمزور ہو جائے۔ تیسری غرض ان کی یہ ہے۔ کہ کواپریٹرز کو نان کواپریشن پر مجبور کریں۔ اور وہ اس طرح کہ جب کوئی ایسا موقع آئے۔ کہ جس میں ان کی رائے اعتدال پسندوں سے مل جائے۔ تو اس وقت گورنمنٹ کو شکست دے کر اس کے غیر معقول ہونے کو ظاہر کریں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ان کے کونسلوں میں داخل ہونے کے بعد جو لوگ پہلے اشتراک فی العمل کے حامی تھے مگر اب ان کے داخل ہونے کے سبب سے چونکہ ان کی اور نان کواپریٹروں کی خدمات کا مقابلہ کرنے کا ملک کو موقع ملتا ہے۔ اس لئے وہ اس پالیسی کو اختیار نہیں کر سکتے۔ اور ان کو اپنی عزت اور اپنے نام کے خیال سے مجبوراً اس پہلی سودا کرنے والی پالیسی کو ترک کرنا پڑا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا ہے کہ ریفارم سے جو فائدہ مد نظر تھا۔ وہ نکلتا ہوا نظر نہیں آتا جیسا کہ سی۔ پی۔ بنگال اور امپیریل کونسل کے واقعات سے ظاہر ہے۔ اگر گورنمنٹ بار بار پرانی کونسلوں کو منسوخ کر کے نئے انتخاب کریگی۔ تو تب بھی ان لوگوں کا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس سے لوگوں کی توجہ اس پارٹی کی طرف اور بھی پھرے گی۔ اور اگر گورنمنٹ کونسلوں کو موقوف کر کے خود کام کرے گی۔ تب بھی ان کا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ پارٹی لوگوں سے کہے گی۔ کہ دیکھو ہندوستان کو کوئی اختیارات نہیں دیئے گئے تھے۔ جب کوئی بات گورنمنٹ کی رائے کے خلاف ہوئی۔ اس نے کونسلوں ہی کو توڑ دیا۔ پس اختیارات صرف دکھاوے کے تھے۔

میرے نزدیک موجودہ حالات میں گورنمنٹ کے لئے اصل میں تو یہی راستہ کھلا ہے۔ کہ ریفارم سکیم کی اصلاح کر کے اس کے بد نتائج سے محفوظ ہو۔ لیکن اگر یہ قابل عمل نہ سمجھا جائے۔ تو پھر یہ چاہئے۔ کہ جس ذریعہ سے ان لوگوں کو کامیابی ہوئی ہے۔ اسی ذریعہ کو گورنمنٹ بھی اختیار کرے۔ اور وہ ذریعہ جو انہوں نے اختیار کیا ہے۔ یہ ہے۔ کہ وہ پبلک اپیل کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کو بھی یہی ذریعہ اختیار کرنا چاہئے اور یہ موقع سب سے بہتر ہے۔ اس وقت ملک کے لوگوں میں بین الاقوام فسادات کی وجہ سے یہ احساس پیدا ہو رہا ہے۔ کہ ان کو برطانی گورنمنٹ کی ابھی ضرورت ہے۔ پس اس وقت اگر گورنمنٹ عوام الناس کی طرف توجہ کرے۔ تو وہ ملک کو اسی سڑک پر ڈال سکتی ہے۔ جس سے وہ کامیابی کا منہ دیکھ سکے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کچھ مدت سے سوئی ہوئی ہے۔ جس وقت ہندو مسلمانوں کے فسادات شروع ہوئے میں نے پچھلے سال کے نومبر میں پنجاب گورنمنٹ کو توجہ دلائی تھی۔ کہ ملک میں فساد ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ کچھ دن فساد ہوگا۔ پھر لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور مسٹر گاندھی اس موقعہ کو کبھی نہیں جانے دینگے۔ اور لوگ خیال کریں گے۔ کہ اصل خیر خواہ ملک کے مسٹر گاندھی ہی ہیں۔ پس گورنمنٹ کو چاہئے۔ کہ اس وقت خود دخل دیکر ہندوستان کے جھگڑے کو ختم کر دے۔ اور میں نے اس کیلئے اپنی جماعت کی خدمات بھی پیش کی تھیں۔ کہ ہم پہلے طرفین کے خیالات معلوم کر کے ابتدائی کام کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو یقیناً لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جاتی۔ کہ گورنمنٹ ملک کی سچی خیر خواہ ہے۔ اور عوام الناس جو ان جھگڑوں سے دل ہی دل میں تنگ ہیں۔ اس کو ایک احسان سمجھتے۔ مگر گورنمنٹ نے مجھے یہ جواب دیا۔ کہ اگر ہم صلح کرانے کی کوشش کریں گے تو لوگ اس کو بدنیتی پر محمول کریں گے۔ ایک حقیقی فائدہ کو نظر انداز کر کے ایک خیالی خطرہ کی اتباع کرنا صرف بزدلی کی علامت ہے۔ اب مسٹر گاندھی نے فاقہ کشی کا ڈرامہ ادا کیا ہے۔ اور یقیناً ملک کے اکثر لوگ محسوس کریں گے۔ کہ گورنمنٹ فساد چاہتی تھی۔ مگر مسٹر گاندھی نے اپنی جان کی قربانی دیکر ملک کو بچا لیا۔

انگریز افسر کیسا ہو

گو بہت سی باتیں ہیں۔ جن کی اصلاح سے موجودہ حالت کو بدلا جا سکتا ہے۔ مگر ان کو ایک لیکچر میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے میں صرف ایک بات کو بیان کرتا ہوں جو گورنمنٹ سے نہیں بلکہ اقوام سے تعلق رکھتی ہے۔ میرے نزدیک اس وقت سب سے زیادہ جو اس فساد کی اصلاح میں مدد دے سکتا ہے۔ وہ فرد ہے جو انگریز افسر جو ہندوستان کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں اس بات کو اچھی طرح ڈالنا چاہئے۔ کہ اب ہندوستانیوں کے احساسات بدل گئے ہیں۔ اب ایک حاکم باپ کی طرح حکومت نہیں کر سکتا۔ اب وہ ایک بھائی کی طرح اپنی بات منوا سکتا ہے۔ آج سے پہلے ہندوستانی انگریز افسر کو ماں باپ کہتا تھا۔ اب وہ باہر کے خیالات سے متاثر ہو کر اس کو بھائی کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اور چاہئے کہ انگریز افسر جو ہمیشہ اپنے ملک کے فوائد کو مد نظر رکھ کر ضرورت زمانہ کے مطابق اپنے حالات بدلتا رہا ہے۔ اب برادرانہ سلوک کو اختیار کرے۔ زیادہ عوام الناس میں مل کر رہے۔ وہ لوگوں سے زیادہ تعلق پیدا کرے۔ وہ اپنی افسریت کے خیال کو ترک کر کے اصرار اور سمجھانے سے کام لے۔ وہ ان کی دعوتوں ان کی

مخلصوں اور ان کی خوشیوں اور غمیوں میں شامل ہو۔ اور اس پرانے پرنٹوکریسی کا وہ عادی رہا ہے۔ ترک کر دے۔ تاکہ ہندوستانی اسے صرف اپنا خیر خواہ ہی نہیں بلکہ اسے اپنے ہی میں سے خیال کریں۔

انگلستان کے اخبارات کیا کریں

اسی طرح چاہئے کہ انگلستان کے لیکچرار اور اخبار اپنی تقریروں اور تحریروں میں ہندوستانیوں کے احساسات کا خیال رکھیں۔ بعض معمولی باتیں بڑے نتائج پیدا کر دیتی ہیں۔ میرے نزدیک اس قدر انچی ٹیپ کو کسی اور چیز نے فائدہ نہیں دیا۔ جس قدر کہ بعض انگریزی لیکچراروں کی تقریروں اور بعض نامہ نگاروں کی تحریروں نے۔ ایک ہندوستانی جس وقت یہ پڑھتا ہے۔ کہ اس کے ہم وطنوں کو برا کہا جاتا ہے۔ یا ان کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک کی رائے ان کے ساتھ نہیں تو طبعاً وہ ان کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ اور اگر پہلے ان کا مخالف تھا۔ تو اب ہمدرد ہو جاتا ہے۔ پس میں آپ لوگوں سے یہ درخواست کروں گا۔ کہ ہندوستانی طبیعت کا زیادہ مطالعہ کریں۔ اور اپنی تقریروں اور تحریروں اور سلوک میں ہندوستانیوں کے احساسات کا خیال رکھیں۔

مجھے تعجب آتا ہے جبکہ میں انگریزوں سے سنتا ہوں۔ کہ ہندوستانی انگریزوں کی طبیعت کا مطالعہ نہیں کرتے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ درست ہے۔ مگر اس میں بھی شبہ نہیں۔ کہ انگریز ہندوستانی کی طبیعت کا بہت ہی کم مطالعہ کرتے ہیں۔ جس قوم کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ہو اس کا فرض ہے کہ وہ پہلے قدم اٹھائے۔ پس چاہئے کہ برطانیہ کے لوگ ہندوستانیوں کی طبیعت کا گہرا مطالعہ کریں۔ پھر ان سے ہمدردانہ معاملہ کریں۔ اس سے لازماً ہندوستانیوں کی بدظنیاں دور ہو جائیں گی اور طبائع اس امر کیلئے تیار ہو جائیں گی کہ ہندوستانی سوال اختلاف کو دور کرنے کیلئے باہم بیٹھ کر غور کریں جن کی موجودگی دونوں قوموں کو تکلیف دے رہی ہے۔ اگر تھوڑی سی احساسات کی قربانی اگر تھوڑا سا جذبات کو دبانا ہندوستان کے ہیرے کو جو برٹش تاج کی زینت رہا ہے۔ مگر اس وقت اپنی جگہ سے جل رہا ہے۔ پھر اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم کر دے تو کیا آپ لوگ اس کے لئے تیار نہیں؟ ہونے؟ مجھے یقین رکھنا چاہئے کہ ضرور ہوں گے!!!

معاصر اودھ اخبار اور حکومت کابل

معزز معاصر نے کابل کے ظالمانہ فعل کے خلاف جو پرزور مضمون لکھا ہے۔ وہ اسی صفحہ پر درج ہے۔ لاہور کے اخبارات اور دیوبندی ملانوں کو غور سے پڑھنا چاہئے۔ معاصر موصوف نے اپنے مضمون کے اخیر میں حکومت کابل کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ محض حسن ظنی کی بنا پر ہے۔ ورنہ یہ بات کابل کے سرکاری اخبار کے ذریعہ پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔ کہ سنگساری کی وجہ سوائے مذہبی اختلاف کے اور کچھ نہ تھی اور گورنمنٹ کابل نے حال ہی میں جس "اصلاح نمبر ۱۱" کا نفاذ کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ "آزادی در عقائد و ادیان نہ قتل بود۔ نہ باشد نخواہد شد" عقائد اور مذہب میں آزادی پہلے تھی نہ اب ہے۔ نہ آیندہ ہوگی اس سے سمجھ لیا جائے۔ کہ کابل میں کہاں تک مذہبی رواداری ہے۔

کابل کا واقعہ سنگساری

اور

معزز اودھ اخبار لکھنؤ

مندرجہ بالا عنوان سے لکھنؤ کا مشہور روزانہ اخبار "اودھ اخبار" اپنے ۵ راکتوبر کے پرچہ میں لکھتا ہے:۔

کچھ دن قبل ہم نے ان کالموں میں کابل سے آئی ہوئی حیرت انگیز اطلاع کا ذکر کیا تھا۔ جس میں ایک شخص نعمت اللہ نامی کی سنگساری کا حال تھا اس خبر کو لکھتے ہوئے ہم نے پبلک سے خواہش کی تھی۔ کہ اس خبر پر اس وقت تک کوئی خیال آرائی نہ کی جائے۔ جب تک کہ کابل سے سرکاری اطلاع نہ ملجائے کیونکہ ہمیں کسی طرح اس بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ کہ کابل میں جہاں آجکل ایک نہایت ہوشیار روشن خیال امیر حکمران ہے۔ ایسا کوئی واقعہ پیش آسکتا ہے۔ اس کے بعد کابل سے مختلف ذرائع سے متواتر اطلاعات اس بارہ میں موصول ہوئی ہیں۔ اور اب ایک حد تک پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے۔ کہ کابل کی سلطنت میں ایک کابلی نعمت اللہ نامی کو صرف اس جرم میں سنگسار کیا گیا ہے۔ کہ وہ بلحاظ عقیدہ قادیانی تھا۔ ان اطلاعات کے موصول ہونے پر پنجاب کے بعض اخبارات میں مختلف خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ جن میں زیادہ حصہ نہایت ناگوار خیالات کا ہے۔ ہم اس جگہ ان جملہ خیالات کا اعادہ یا ان کی تردید میں کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔ لیکن اس قدر ضرور اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ زیادہ حصہ ان خیالات اور رایوں کا جو اس بارے میں ظاہر کی گئی ہیں۔ نہایت نامناسب اور بے موقع ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ بمصداق "رموز مملکت خویش خسروان دانند" جو کچھ حکومت کابل نے اس بارہ میں فیصلہ کیا ہے۔ وہ بجائے خود مناسب، موقع اور مطابق مصلحت ہوگا۔ نیز ہندوستانیوں کو سمجھنا چاہئے۔ کہ وہ ہندوستانی معاملات پر حکومت کرنے کی کوشش کو کابل تک وسیع کر سکتے ہیں۔ کابل کے معاملات کابل کی حکومت کے اختیار میں ہیں۔ ان پر ہندوستانی رائے کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ لیکن باوجود ان مسلمات کے ان افعال کے حسن و قبح کے متعلق بھی اسی طرح جس طرح تمام دنیا کے مسائل پر رائے زنی کی جاتی ہے۔ رائے ظاہر کرنے کا حق زائل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی حق سے فائدہ اٹھا کر ہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ کہ حکومت کابل نے ایک فرد واحد کو محض اس کے اعتقادات اور خیالات کی وجہ سے جن کا کوئی اثر ملک اور باشندگان ملک پر نہیں پڑ سکتا تھا۔ سنگسار کر کے نہایت سخت تاریک خیالی اور عدم رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ بعض لاہوری اخبارات اس واقعہ کو محض اس وجہ سے حق بجانب قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ ایک قادیانی شخص جس کے اعتقادات وخیالات سے وہ متفق نہیں۔ سنگسار کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ اخبارات حکومت کابل کیساتھ دوستی کا حق ادا کرنے کی بجائے دشمنی کر رہے ہیں۔ کیونکہ کابل کیساتھ اس وقت دوستی یہی ہے۔ کہ اسے اس ناراضگی کی اطلاع دی جائے۔ جو اس کارروائی سے تمام متمدن دنیا میں اس کے خلاف پیدا ہو رہی ہے۔ یہ معاملہ محض ایک قادیانی کی سنگساری کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کابل کی سلطنت میں کوئی شخص ایسے اعتقادات وخیالات رکھ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جو وہاں کے بااقتدار علماء وحکام کے خلاف ہوں۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ تمام متمدن دنیا اب اس تاریک حد سے بہت دور چلی گئی ہے۔ جبکہ آزادی رائے و خیال پر بھی پابندیاں عائد تھیں۔ اب کسی متمدن ملک میں دلوں پر حکومت کرنے کی کوشش ویسی نہیں ہو رہی ہے۔ جیسی کہ کبھی زمانہ جاہلیت میں ہوتی ہوگی۔ اسی وجہ سے اس متمدن دنیا میں اور اس آزادی کے دور میں کابل کا واقعہ تمام دنیا کو حیرت میں ڈالنے کے لئے کافی ہے۔

اس موقع پر مذہبی اختلافات کو پیش نظر نہ رکھنا چاہئے۔ بلکہ اس واقعہ پر اصولاً اظہار ناراضگی و اختلاف کرنا چاہئے۔ جو لوگ اس واقعہ کو محض ایک قادیانی کی سنگساری سمجھ کر واجب خیال کر رہے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ انہیں غور کرنا چاہئے۔ کہ اگر ہز مجسٹی امیر کابل کے متعلق قادیانی ہو جانے کی افواہ جو کچھ عرصہ قبل پھیلی تھی۔ صحیح ہوتی اور کوئی غیر قادیانی شخص اس طرح وہاں سنگسار کیا گیا ہوتا تو ان کا اس وقت اس واقعہ کی نسبت کیا خیال ہوتا۔ آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگران ہم مپسند۔ کوئی اعتقاد یا مذہبی خیال و رائے اس وقت تک قابل سرزنش نہ ہونا چاہئے۔ جب تک کہ وہ امن عامہ میں کسی طرح خلل انداز نہ ہو۔ ہمیں کابل اور اس کے بابرکت حکمران کی طرف سے اب بھی کسی قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں متواتر بتایا گیا ہے۔ کہ کابل میں نہایت آزادی سے تمام غیر مسلم رہ سکتے ہیں۔ اور انہیں جملہ حقوق شہریت حاصل ہیں۔ اس وجہ سے ہم آخر میں پھر اس قدر لکھنا چاہتے ہیں۔ کہ اس واقعہ کے متعلق کچھ حالات ضرور پردہ راز میں ہیں۔ اور یقین ہے۔ کہ کابل کے ارباب حل وعقد کابل جیسی ہردلعزیز سلطنت کے چہرہ سے یہ بدنما دھبہ دور کرنے کے لئے اس معاملہ کے صحیح حالات سے دنیا کو جلد مطلع کریں گے۔ اور پبلک کو یقین دلائیں گے۔ کہ کابل میں ہر متنفس کو خواہ وہ کسی خیال اور عقیدہ و مذہب کا کیوں نہ ہو۔ دیگر متمدن ممالک کی طرح تمام حقوق شہریت مساویانہ اس وقت تک حاصل ہیں۔ جب تک اس کا کوئی واقعی فعل سلطنت کے امن کو خطرہ میں نہ ڈالے افغانستان ہندوستانیوں کے لئے نہایت دلچسپ جگہ ہے۔ اور وہاں سلسلہ آمد و رفت کی سہولتیں اور آسانیاں ہو جانے پر کثیر تعداد میں ہندوستانی کابل کی صحت بخش

بہائیوں کی طرف سے دعوت اور اس کا جواب

حشمت اللہ صاحب بہائی ساکن آگرہ کی طرف سے بذریعہ خط اور اخبار حسب ذیل اعلان شائع ہوا ہے:۔

اے جماعت قادیان۔ آپ کا دعوےٰ ہے۔ کہ جناب میرزا غلام احمد صاحب رضی اللہ عنہ موعود ادیان تھے۔ اور نہ صرف اسلام بلکہ عیسائی یہودی زردشتی۔ ہندو۔ بودائی بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اور آپ ان سب کے مشترک موعود ہیں۔

اہل بہاء کا بھی یہی دعوےٰ ہے۔ اور ہم اپنے دعوے کی تصدیق میں ہر مذہب کے متعدد افراد بھی پیش کرتے ہیں۔ ہماری بیس سال کی متواتر دعوت و تبلیغ کے جواب آپ نے ہماری مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ مگر باوجود پے درپے دعوت کے آپ بالمواجہ احقاق حق سے گریز ہی کرتے ہیں۔ اور غیر احمدی مسلمانوں کو جن کو آج تک آپ کافر اور ناقابل معاشرت کہتے رہے۔ سپر بنانے کی کوشش میں ہیں۔ اگر آپ کا دعوےٰ الحض مجدد مذہب حنفی کا ہے۔ تو آپ اس کا اعلان کر دیجئے ہم کو آپ سے کچھ تعرض نہیں۔ لیکن اگر آپ اپنے تئیں موعود عالم و جمیع ادیان مانتے ہیں۔ تو میدان میں تشریف لایئے۔ اور ان اقوام کے بزرگوں کے سامنے ہمارے مواجہ میں آپ اپنے اقوال و اخلاق سے اپنا موعود ہونا ثابت کیجئے اور ہم اپنے وجوہات پیش کریں۔ پھر دیکھئے کہ وہ کس کے دلائل و اخلاق کو پسند یدہ بتاتے ہیں۔

اب سوائے اس کے چارہ نہیں۔ کہ آپ اپنا استحقاق ثابت کریں۔ اور ہم اپنا۔ "لیس لکم الیوم من محیص"۔

اس کے متعلق حسب ذیل جواب حشمت اللہ صاحب کو بھیجا گیا ہے:۔

حضرت امیر جماعت احمدیہ ہند قادیان کی خدمت میں آپ کی طرف سے ایک مناظرہ کا چیلنج بذریعہ ایک پرائیویٹ چٹھی نیز بواسطہ بہائی اخبار کوکب ہند کے پہنچا ہے۔ آپ کو یقین رکھنا چاہئے۔ کہ جماعت احمدیہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے تمام اختلافی امور کے متعلق تبادلہ خیالات کرنے کی دلی آرزومند ہے۔ کیونکہ اس ذریعے سے اس کو یہ موقع حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ قرآنی تعلیم کا کمال اور قرآنی شریعت کا آخری شریعت ہونا ثابت کرے۔ نیز اس کو یہ بھی موقع ملتا ہے کہ وہ لوگوں تک اس پیغام آسمانی کو پہنچائے۔ جو اس زمانہ کے نبی مرسل مسیح موعود۔ مہدی معہود۔ مصلح آخر الزمان کے ذریعے سے ملا۔ جو خدمت اسلام کے لئے مبعوث ہوئے تھے (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔ لیکن قبل اس کے کہ مناظرہ فیمابین کی نوعیت۔ شرائط تاریخ کا فیصلہ کیا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ہمیں اپنی اصولی کتب یعنی بیان مصنفہ جناب علی محمد باب۔ اقدس کتاب الاقدس واقعۃ اردو مبین مصنفہ جناب مرزا حسین علی صاحب مشہور بہ بہاء اللہ کے مصدقہ نسخے دیں۔

اس کی اس لئے ضرورت ہے۔ کہ مناظرہ میں اصولی کتب کا حوالہ ضروری ہوتا ہے۔ اور سوائے اس کے کہ ایسی کتب کے مصدقہ نسخے موجود ہوں۔ طرفین کو صرف اتنا کہدینے سے فرار کا اچھا موقع مل سکتا ہے۔ کہ جو حوالجات پیش کئے گئے ہیں۔ ان کی صحت میں ہمیں کلام ہے۔ یہ ایک ایسا طریق ہے۔ جس میں (مجھے آپ معاف فرمائیں) بہائی لوگ بہت مشاق ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری کتب کے مستند نسخہ جات عام طور سے دستیاب ہیں لیکن بدقسمتی سے آپ کے معاملہ میں کم از کم جہانتک مذکورہ بالا کتب کا تعلق ہے۔ یہ بات ہمیں نظر نہیں آتی۔ کیونکہ عموماً جناب علی محمد باب اور جناب مرزا حسین علی صاحب المعروف بہ بہاء اللہ کی کتب ایسی صورت میں دیکھی گئی ہیں۔ کہ نہ ان پر کتاب کا نام ہے نہ مصنف کا نہ مطبع کا نہ پبلشر کا نہ ایڈیشن کا۔ اور صرف مضمون یا زبانی روایت یا اسی قسم کے دوسرے قرائن سے ان کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ کہنے سے میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ ہمارے پاس اس وقت بہائی مذہب کی کتب نہیں ہیں۔ لیکن مناظرہ کو صحیح طور پر مفید بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے ہاتھ میں وہ نسخہ جات ہوں۔ جو آپ کے نزدیک آپکے مصدقہ ہوں۔ اور جن کی صحت آپ کے نزدیک مسلم ہو۔ لہذا براہ مہربانی آپ مجھے اطلاع دیں۔ تاکہ میں جلد اپنے کسی معتبر کو وہاں آپکے پاس بھیجکر مذکورہ بالا چار کتب کے نسخہ جات حاصل کرکے ان پر آپ کی تصدیق ثبت کرا لوں۔ یا اگر مطبوعہ نسخہ جات موجود یا دستیاب نہ ہوں۔ تو میں آپ کے ذریعے سے ان کی مصدقہ نقول حاصل کر لوں۔ اس بات کے ذکر کی غالباً ضرورت نہیں کہ اس معاملہ میں جو بھی جائز اخراجات ہوں گے۔ وہ ہم برداشت کریں گے۔

مہربانی کرکے بہت جلد جواب ارسال کریں۔ تاکہ آپ کے ساتھ پبلک مناظرہ کا انتظام کیا جائے۔

اس موقعہ پر مجھے یہ بھی ذکر کر دینا ضروری ہے۔ کہ ہندوستان میں بہائیوں کی ایسی حیثیت نہیں ہے۔ کہ ہم ان کے ساتھ ایک باقاعدہ مناظرہ کریں۔ لیکن چونکہ آپ لوگوں نے مناظرہ کا چیلنج بھیجا ہے۔ اور بعض صورتوں میں مناظرہ عام پبلک کیلئے مفید نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اس لئے ہم نے آپ کے چیلنج کو منظور کر لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

المکل

قائمقام ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان

یہ مضمون اردو انگریزی اخبارات کو بھی برائے اشاعت بھیجا گیا ہے۔

امام جماعت احمدیہ کی ہندوستان کو روانگی

(رپورٹر کا تار)

لنڈن۔ ۲۲ ر اکتوبر۔ آج بعد دوپہر ایک بڑا مجمع جو کہ مختلف اقوام اور مختلف ممالک کے آدمیوں پر مشتمل تھا۔ واٹرلو سٹیشن پر امام جماعت احمدیہ کو الوداع کہنے کے لئے جمع ہوا۔ جو ہندوستان واپس جانے کے لئے سوتھمٹن جا رہے ہیں۔

ایک ملاقات میں انہوں نے امید ظاہر کی کہ انگریزی حکومت کی قوت بڑھتی جائے گی۔ اور وہ کمزور نہیں ہوگی۔ آپ نے کہا میں اور میری جماعت سلطنت برطانیہ اور تمام دنیا میں اتحاد اور آپس کے تعاون کی تحریک پیدا کرنے میں پوری پوری کوشش کریگی (اس برقی پیغام کی صحت کا ذمہ دار رائٹر ہے۔ الفضل)

مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی سنگساری پر

سکھ صاحبان شملہ کا پیغام ہمدردی

مکرم معظم جناب ایڈیٹر صاحب الفضل۔

تسلیم۔ یہاں کی مختصر سی مقامی سکھ جماعت جس کا ادنیٰ اسیوک ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے کی میں نمائندگی کرتا ہوا جناب کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ ہم کو کابل میں آپ کے سلسلہ کے ایک معصوم بیگناہ کے سنگسار کئے جانے کا دلی افسوس ہے۔ اور ہم آپ سے اور نیز مرحوم کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔

نیز درخواست ہے۔ کہ یہ ہمارا ہمدردی کا پیغام حضور خلیفۃ المسیح تک ضرور پہنچا دیویں۔

میں ہوں جناب کا خیر خواہ
بلونت سنگھ اسسٹنٹ انجنیئر۔ چھوٹا شملہ

مسٹر محمد علی کا خط نعمت اللہ خان شہید کے متعلق

شیخ محمد یوسف صاحب احمدیہ ریڈنگ روم کے نام ایک خط مسٹر محمد علی ایڈیٹر ہمدرد و کامریڈ کا وصول ہوا ہے جس کی نقل میں اصل خط سے خود لی ہے اور وہ حسب ذیل ہے الفضل کے ناظرین کے مطالعہ کے واسطے درج ذیل کرتا ہوں۔ شفیع احمد از دہلی۔

از دفتر کامریڈ و ہمدرد کوچہ چیلاں دہلی ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۲۴ء

برادرم السلام علیکم نوازشنامہ ملا۔ میں خود آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ نعمت اللہ صاحب کے متعلق غالباً آپ گفتگو فرمائیں گے۔ جہانتک حالات معلوم ہوئے ہیں۔ ان کو جاننے کے بعد میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ واقعہ نہ ہونا چاہئے تھا۔ میں ایک "قادیانی" کے اسطرح قتل کئے جانے کو سخت برا سمجھتا ہوں (محمد علی)

مختصر ضروری خبریں

حکومت مصر کی امنگیں

اخبار ٹائمز کے نامہ نگار سکندریہ کا بیان ہے۔ کہ حکومت مصر کا وہ سامان جو وہ غیر ممالک سے خرید کرتی ہے۔ اس کے لانے کے لئے حکومت اپنے جہازوں کی تعمیر کی تجویز کر رہی ہے۔ اس کے لئے مصری انجنیئر اور ملاح بغرض تعلیم یورپ کو روانہ ہو رہے ہیں۔ علاوہ اس کے حکومت وزارت جنگ کے ماتحت ایک ہوائی بیڑہ بنانے کی تجویز پر بھی غور کر رہی ہے۔ تجویز کی گئی ہے۔ کہ منتخب شدہ مصریوں کو یورپ اور برطانیہ کے مراکز پرواز میں بھیجا جائے۔ تاکہ وہ فن پرواز سیکھیں ؎

جرمن قرضہ

جرمنی کے لئے انگلستان سے ایک کروڑ بیس لاکھ پونڈ قرضہ طلب کیا گیا تھا۔ جس کے جواب میں ۱½ کروڑ پونڈ سے زیادہ قرضہ مل چکا ہے ؎

ہندی سپاہی چین میں

ہانگ کانگ کی خبر ہے کہ ۵۰ ہندوستانی توپچیوں کا ایک دستہ گولہ بارود اور کلدار توپ لے کر مقام شامین کو روانہ ہو گیا۔ شامین شہر کنتان کا فرنگی حصہ ہے۔ یہ سپاہی احتیاطاً بھیجے گئے ہیں ؎

سابق خلیفہ فرانس میں

ترکی اخبار "وطن" میں اس خبر کا اعلان ہوا ہے۔ کہ سابق خلیفہ عبدالمجید خان ثانی سوئٹزرلینڈ سے نائس واقعہ فرانس کو چلے گئے ہیں۔ وہاں اپنے خاندانی لوگوں میں رہیں گے ؎

گورنر قسطنطنیہ کی برطرفی

رشید بے گورنر قسطنطنیہ کو نہایت عجیب حالات میں برخواست کر دیا گیا ہے۔ ایک ایسے تماشے سے واپس آتے ہوئے جو خیراتی امور کے لئے منعقد کیا گیا تھا۔ انہوں نے ولایت قسطنطنیہ کے صدر مقام کا غیر متوقع معائنہ کیا۔ اور بذریعہ ٹیلیفون شہر کے تمام فوجی پولیس اور آگ بجھانے والے دستوں کے اجتماع کا حکم دیدیا۔ فوجوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اب بیان کیا جاتا ہے۔ کہ گورنر احکام جاری کرنے کے وقت مخمور تھا ؎

مسٹر ڈی ویلرا کی گرفتاری اور رہائی

لنڈن ۲۴ر اکتوبر آج شب کو آئرش جمہوری رہنما مسٹر ڈی۔ ویلرا کو نیوری (السٹر) کے ٹاؤن ہال میں گرفتار کر لیا گیا۔ حکام السٹر نے امتناعی احکام جاری کئے تھے کہ آپ السٹر کی حدود میں داخل نہ ہوں۔ لیکن ممدوح نے ان امتناعی احکام کو ٹھکرا دیا۔ اور جمہوریت پسند امیدوار کی تائید میں تقریر کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ مسٹر ڈی ویلرا نے ایک شب نیوری پولیس تھانہ میں گذاری۔ آج صبح آپ کو فوجی دستوں کی حفاظت میں سرحد تک پہنچا کر رہا کر دیا گیا۔ آپ کو ڈبلن تک کا ریلوے ٹکٹ خرید کر دیدیا گیا ؎

بولشویک اور فرانس

پیرس ۲۵ر اکتوبر۔ فرانسیسی حکومت عنقریب بولشویکی حکومت کو آئینی حیثیت سے غیر مشروط طور پر تسلیم کرنے کا اعلان کرنے والی ہے ؎

ولی عہد کی کینیڈا سے واپسی

نیویارک ۲۵ر اکتوبر۔ شہزادہ ویلز کینیڈا کے دورہ اور سیاحت سے فارغ ہو کر آج انگلستان روانہ ہو گئے ؎

"سیاست" کا سرٹیفکیٹ "زمیندار" کو

اخبار سیاست ۱۹ر اکتوبر لکھتا ہے "قاضی جی دبلے کیوں شہر کا اندیشہ" ایک پرانی اور مشہور ضرب المثل ہے۔ آج کل لاہور کے عہدہ قضا کو ایک مقامی معاصر نے غصب کر رکھا ہے۔ جس کے افکار کا مرکز وہ حوادث ہیں۔ جو کسی اخبار کے کاتب کی غلطی یا ایڈیٹر کی لغزش قلم سے پیدا ہوں۔ اور اگر کوئی بات نہ ملے۔ تو معاصر موصوف جھلا کر تہذیب سے اس قدر بالاتر ہو جاتا ہے۔ کہ کسی باجی سوامی کی چیلیوں کے ساتھ بدکاری کرنے کے حادثہ کو مرکز فکر بنا کر سوامی جی کے ہی بدن پر ملنے یا نہ ملنے کا معمہ حل کرنے کی کوشش کرتا ہے ؎

مسٹر ظفر علی کے مقابلہ میں ڈاکٹر کچلو کی کامیابی

بمبئی ۲۵ر اکتوبر۔ بلگام خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے نام بھیجنے کی آخری تاریخ ۲۵ر اکتوبر مقرر تھی۔ ۱۳ صوبہ خلافت کمیٹیوں نے وقت پر اپنی اپنی نامزدگیوں سے مطلع کیا۔ آگرہ۔ آسام۔ اندھرا۔ مدراس۔ بنگلور۔ برار۔ صوبجات متوسط اجمیر۔ دہلی۔ سندھ اور اودھ نے ڈاکٹر کچلو کو نامزد کیا ہے صرف پنجاب اور برما نے مسٹر ظفر علی خاں کو چنانچہ ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو کو بلگام خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے ؎

مسلمانان ہند کے خلیفہ کی حالت

سابق خلیفہ ٹرکی آنجہیں ابھی تک ہندوستان کی تمام خلافت کمیٹیوں کی صدر کمیٹی کے پریذیڈنٹ مسٹر شوکت علی خلیفہ مانتے ہیں۔ آج کل جس حالت میں ہیں۔ اس کا پتہ حسب ذیل سطور سے لگ سکتا ہے۔ جو اخبار سیاست ۲۹ر اکتوبر میں شائع ہوئی ہیں۔ "۵ ماہ سے حضرت خلیفہ فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ آپ کی عیال و اولاد سخت تکلیف میں ہیں۔ اعلےٰ حضرت شاہ دکن کی فیاضی کے ترکی خاندان خلافت بہت ہی مشکور ہیں۔ مگر دو سو پونڈ سے تین سو پچاس خاندان والوں کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ مسلمانو! بتاؤ تمہارا کوئی خلیفہ ہے۔ کیوں مسجدوں میں عبدالمجید خاں کا نام خطبوں میں لیتے ہو۔ نکال دو آپ کا نام اسے ہندوستان کے مسلمانو! تبلاؤ تم میں اور اہل کوفہ میں کیا فرق ہے۔ اہل کوفہ کے دل امام حسین کے ہمراہ تھے۔ اور کوشش اغیار کے ساتھ۔ ایسا ہی تم دل اور زبان سے خلیفہ خلیفہ کہتے ہو۔ مگر خلیفہ اور خاندان خلافت کو فاقہ کشی کرتے ہوئے کا حال سنتے ہوئے ان کی مدد پر نہیں آتے خلیفہ کی مدد کرو۔ ورنہ سلاطین عثمانیہ کی روحوں کی لعنت ہم پر اترے گی ؎

کلکتہ میں سازش انقلاب کے متعلق گرفتاریاں

کلکتہ ۲۵ر اکتوبر آج صبح کے چار بجے کلکتہ پولیس نے شہر کے مختلف حصوں میں ۵۸ مکانات پر چھاپہ مارا۔ ان میں کانگریس اور سوراجیہ پارٹی کے دفاتر بھی شامل ہیں۔ اور دہشت پھیلانے کی تحریک کے سلسلہ میں بہت سی گرفتاریاں کیں۔ گرفتار شدہ اشخاص میں انتظامی افسر اعلیٰ کارپوریشن۔ سیکرٹری صوبہ کانگریس کمیٹی۔ سیکرٹری بنگال سوراجیہ پارٹی۔ اور دیگر گیارہ اشخاص کو قاعدہ نمبر ۳ سنہ ۱۹۱۸ء کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔ اور ۱۳ مزید گرفتاریاں آرڈیننس نمبر ۱ سنہ ۱۹۲۴ء کی دفعہ ۱۸ کے ماتحت جسے آج صبح وائسرائے نے نافذ کیا ہے عمل میں آئیں۔ مزید گرفتاریوں کی امید ہے۔ پولیس کانگریس اور سوراجیہ پارٹی کے دفاتر پر قابض ہے۔ گرفتار شدہ اشخاص کو پریذیڈنسی اور کالی گھاٹ کے قیدخانوں میں بھیجدیا گیا۔ ایک بیان میں لارڈ ریڈنگ اس قانون کی ساخت اور نفاذ کے اسباب ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ میرے سامنے جو شہادتیں اور ثبوت پیش کئے گئے۔ وہ مجھے یہ یقین دلانے کے لئے کافی تھے۔ کہ یہ تحریک نہایت خطرناک ہے۔ اور اس کی بنیادیں بہت گہری ہیں ؎

بھائی بہن کی شادی کا مقدمہ

کلکتہ میں ہورلیس سٹیفن مایلسٹرن بعمر ۴۴ سال اور ایتھل سامنا مایلسٹرن بعمر ۴۱ سال دونوں بھائی بہن پر عدالت میں مقدمہ قائم کیا گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے آپس میں شادی کر لی ہوئی تھی۔ شہادت سے معلوم ہوا ہے۔ کہ جب ملزمان محض بچے ہی تھے تو انہیں سٹیٹ چائلڈرن محکمہ کی حفاظت میں دیا گیا تھا۔ اس کے پندرہ سال بعد وہ ایک دوسرے کو مختلف نام رکھے ہوئے ملے۔ اور ایک دوسرے کے دالہ و شیفتہ ہو گئے۔ انہوں نے شادی کر لی۔ اور ان کے ایک بچہ بھی پیدا ہو گیا۔ بعد ازاں ان کی ماں بھی انکے پاس پہنچ گئی۔ اور دونوں کو شناخت کر لیا۔ لڑکے نے حکام کو مطلع کر دیا۔ اور نہایت عاجزی سے عدالت کو کہا۔ کہ میں اپنی بہن اور لڑکے کو رکھنا چاہتا ہوں ؎

(باہتمام محمد عبدالرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپ کر شائع ہوا)